دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۸۸ ماہ شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ مطابق ماہ ستمبر ۲۰۱۱ء عدد ۳

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

شذرات

برطانیہ میں مسلمان کئی اہم اور بڑے ادارے کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ان میں سے بعض کی برکات صرف انگلستان تک محدود نہیں بلکہ وسیع تر انسانی برادری ان سے فیض یاب ہورہی ہے۔اس وجہ سے یہاں وارد ہونے والے میرے جیسے مسافر کی فطری طور پر یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان اداروں کو قریب سے دیکھا جائے، ان کے طریقہ کار، کارکردگی اور منصوبوں سے واقفیت حاصل کی جائے اور ان شخصیات سے ملا جائے جنہوں نے عزم وحوصلہ کی یہ داستان رقم کی ہے۔ڈاکٹر راشد ایوب صاحب اور عزیزی بلال کی عنایت اور تعاون سے وقت کی کمی کے باوجود اس خواہش کی تکمیل ممکن ہوسکی۔واقعہ یہ ہے کہ یہی اس سفر کا حاصل تھا۔

مغربی ممالک میں رہنے والے ان مسلمانوں کو جو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گذارنا چاہتے ہیں جن مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اہل نظر ان سے واقف ہیں۔خاص طور پر عائلی مسائل کے سلسلہ میں ان کو سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔ان مسائل اور ان کے حل کی ناگزیر ضرورت کا احساس ۱۹۸۲ء میں اسلامک شریعت کونسل کی تاسیس کا باعث ہوا۔اب برطانیہ کے مختلف شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہیں اور شادی، طلاق، خلع اور مالی تنازعات کے تصفیہ کے سلسلہ میں نہایت اہم خدمات انجام دے رہی ہیں اور اس طرح برطانیہ کے مسلم معاشرہ کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل کا سامان کررہی ہیں۔مغربی معاشرہ میں اس سلسلہ میں جو تحفظات پائے جاتے ہیں ان کے پیش نظر یہ کام آسان نہیں ہے اور اس میدان میں کام کرنے والوں کو طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔چونکہ وہاں کے مسلم معاشرہ کی یہ ایک بڑی ضرورت ہے اس لیے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان شرعی عدالتوں کا حلقہ اثر اور دائرہ کار برابر بڑھ رہا ہے۔بدقسمتی سے ابھی تک برطانیہ کے عدالتی نظام میں ان عدالتوں کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا جن کی وجہ سے کئی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ یہودیوں کے مذہبی ادارے Beth Din کی طرح کونسل کے فیصلوں کو بھی قانونی حیثیت دی جائے۔اس سے نہ صرف یہ کہ برطانیہ کے مسلم معاشرہ کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوگی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے مثبت اثرات پورے برطانوی معاشرہ پر محسوس کیے جائیں گے۔مشرقی لندن میں واقع کونسل کے مرکزی دفتر میں ڈاکٹر راشد ایوب صاحب کے ساتھ حاضری ہوئی اور کونسل کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر صہیب حسن صاحب سے ملاقات ہوئی۔کونسل کی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کرنے کے علاوہ فطری طور پر موضوع گفتگو دارالمصنّفین رہا۔

برطانیہ کے مسلم اداروں میں Muslim Aid (العون الاسلامی) کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔یہ ایک عالمی حیثیت کا امدادی ادارہ ہے جو دنیا کے مختلف حصوں میں سرگرم عمل ہے۔یہ ادارہ ۱۹۸۵ء میں برطانیہ کی مسلم تنظیموں کی مشترکہ کوششوں کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا۔فوری محرک اس وقت افریقہ کے حالات تھے جہاں مختلف اسباب کے باعث بڑی تعداد میں عوام نہایت سنگین انسانی مسائل سے دوچار تھے۔وقت کے ساتھ دنیا کے مختلف خطوں میں انسانیت کو درپیش مسائل کا احساس ادارہ کے دائرہ کار میں توسیع کا باعث بنا اور رفتہ رفتہ

افغانستان، بنگلہ دیش، بوسنیا، عراق اور دوسرے ممالک میں کام پھیلتا گیا۔ گذشتہ سال اس ادارہ کی تاسیس پر پچیس سال پورے ہوگئے۔ اس دوران مسلم ایڈ انگلینڈ کی ایک بڑی این۔ جی۔ او کی حیثیت اختیار کرچکی ہے اور اس وقت ستّر سے زیادہ ممالک میں اس کے مختلف النوع منصوبوں پر کام ہورہا ہے۔ اخلاص اور جہد مسلسل کی برکت سے یہ پودا جسے ربع صدی پہلے انسانیت کا درد رکھنے والے کچھ افراد نے لگایا تھا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرچکا ہے جس کے سایہ میں بے شمار دکھی انسان ایک نئی امید اور نئے حوصلے سے آشنا ہورہے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ پروگراموں کی منصوبہ بندی اور تنفیذ کے مختلف مرحلوں میں اسلامی تعلیمات پیش نظر رہتی ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں حادثات سے متاثر ہونے والوں کے لیے ایمرجنسی ریلیف فراہم کرنے کا کام بدستور جاری ہے لیکن اب زیادہ توجہ ایسے منصوبوں پر دی جارہی ہے جن سے غربت اور محرومی کے بنیادی اسباب کا ازالہ کیا جاسکے اور متاثرین کے لیے ایک باعزت زندگی گذارنے کے اسباب فراہم کیے جاسکیں۔ یہ کام بلاتفریق مذہب و ملت انسانیت کی خدمت کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اس وقت بنگلہ دیش، بوسنیا، کمبوڈیا، گمبیا، انڈونیشیا، عراق، اردن، کینیا، لبنان، صومالیہ، پاکستان، سری لنکا اور سوڈان میں اس کے فیلڈ آفس قائم ہیں۔ تعلیم اور صحت کے میدان میں یہ ادارہ خصوصاً بڑی قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس کام میں اسے متعدد اہم عالمی اداروں کا تعاون حاصل ہے جن میں UNCHR, IDB, OIC, UNDP, UNICEF اور OXFAM جیسے ادارے شامل ہیں۔ ڈاکٹر راشد ایوب صاحب کے ساتھ اس کے مرکزی دفتر میں جناب سید شرف الدین صاحب CEO اور بورڈ آف ٹرسٹیز کے سکریٹری جناب تنظیم واسطی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ادارہ کے مختلف شعبوں کو دیکھنے کا موقع ملا اور اس کی سرگرمیوں کی مختلف جہات سے واقفیت حاصل ہوئی۔ دارالمصنّفین کے مختلف منصوبے اور مسائل زیر گفتگو آئے۔ دونوں حضرات دارالمصنّفین کے لیے فکرمند تھے اور اس کے حالات کی بہتری کے خواہاں، خوشی کی بات ہے کہ مسلم ایڈ کے ذمہ داران اب ہندوستان میں بھی آفس کھولنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

لندن سے قریب سو میل کے فاصلہ پر لیسٹر (Leicestershire) میں مشہور علمی اور تحقیقی ادارہ اسلامک فاؤنڈیشن ہے۔ اس ادارہ کو دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔ دستیاب وقت میں وہاں قیام کا صرف آخری دن بچ رہا تھا۔ واپسی کی پرواز شام میں تھی۔ چنانچہ طے پایا کہ صبح میں کار سے وہاں جایا جائے اور واپسی میں سیدھے ایرپورٹ چلے جائیں۔ چنانچہ ۱۹؍ جولائی کی صبح میں عزیزی بلال راشد کے ساتھ لندن سے نکلے اور قریب دو گھنٹہ کے سفر کے بعد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ دیار مغرب میں اس عظیم الشان اسلامی مرکز کو دیکھ کر جی خوش ہوگیا۔ ایک وسیع قطعہ اراضی پر پھیلا ہوا عمارتوں کا سلسلہ حسن ذوق اور حسن انتظام کا پتہ دے رہا تھا۔ فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر مناظر احسن صاحب منتظر تھے۔ ایک دن بعد ہی ادارہ کی ایک اہم میٹنگ تھی اس کے باوجود ہم لوگ جب تک وہاں رہے انہوں نے ساری مصروفیات کو موقوف رکھا اور فاؤنڈیشن کا ایک ایک گوشہ بڑی محبت سے دکھایا۔ ہمارے مخدوم ڈاکٹر سید سلمان ندوی صاحب بھی حسن اتفاق سے وہاں موجود تھے اور وہاں قیام کے دوران پورے وقت ان کا ساتھ رہا۔ وہاں کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والوں اور ذمہ داروں سے بھی ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر عطاء اللہ صدیقی صاحب سے کسی قدر تفصیل سے بات ہوئی۔ دارالمصنّفین کا ذکر فطری طور پر مسلسل رہا۔ ہم توقع

کرتے ہیں کہ مستقبل میں دونوں اداروں کے درمیان اشتراک عمل کی صورتیں پیدا ہوں گی دوپہر کے کھانے اور نماز ظہر کے بعد وہاں کی خوش گوار یادوں کے ساتھ ایرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے ۔ یہ افسوس البتہ رہ گیا کہ ادارہ کے صدر نشین اور روح رواں پروفیسر خورشید احمد صاحب سے ملاقات نہ ہوسکی ۔ وہ اسی دن شام کو تشریف لا رہے تھے لیکن میرے پروگرام میں توسیع کی گنجائش نہیں تھی ورنہ ان سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی۔

اسلامک فاؤنڈیشن کی تاسیس ۱۹۷۳ء میں ہوئی ۔ یہ ایک اعلیٰ درجہ کا تحقیقی، تعلیمی اور اشاعتی ادارہ ہے۔ یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہو کہ اس میدان میں عالمی معیار پر کام کرنے والے اسلامی اداروں میں اسلامک فاؤنڈیشن کو ہراول دستہ کی حیثیت حاصل ہے ۔ اس کی تحقیقی سرگرمیوں کا دائرہ کار بنیادی طور پر اسلامی معاشیات، بینکنگ، مالیات، مسلم عیسائی تعلقات، مفاہمت بین المذاہب، یوروپ اور برطانیہ میں اسلام اور پالیسی ریسرچ پر مشتمل ہے ۔ ابتداء ہی سے اس کی کوشش رہی ہے کہ دور حاضر کے مخصوص مسائل اور چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کی تعلیمات کو پیش کیا جائے اور اس سلسلہ میں عملی رہنمائی فراہم کی جائے ۔ ساتھ ہی دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ اچھے رشتے استوار کیے جائیں ۔ یہ مقصد ایک دوسرے کے بارے میں بہتر واقفیت حاصل کرنے کے ذریعہ ہی حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے فاؤنڈیشن نے جو لٹریچر تیار کیا ہے اسے غیر معمولی ہی کہا جاسکتا ہے ۔ اس کی مطبوعات کی تعداد اس وقت چار سو سے تجاوز کرچکی ہے ۔ ان میں ایک معقول تعداد بچوں کے لٹریچر کی ہے ۔ اسلامی معاشیات کے میدان میں غیر معمولی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس سال اسلامک ڈیولپمنٹ بینک نے فاؤنڈیشن کو خصوصی انعام سے نوازا ہے ۔ تحقیق اور اشاعت کے ساتھ ساتھ فاؤنڈیشن تعلیم کے میدان میں بھی بہت وقیع خدمات انجام دے رہا ہے ۔ اس کا اندازہ مارک فیلڈ انسٹیٹیوٹ آف ہایر ایجوکیشن کی سرگرمیوں سے لگایا جاسکتا ہے ۔ یہ غالباً مغربی دنیا میں تنہا ادارہ ہے جہاں وہاں کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے انداز اور معیار پر اسلام تعلیم و تعلم کا موضوع ہے ۔ فاؤنڈیشن تین اہم اور معیاری مجلّات بھی شائع کرتا ہے ۔ ان میں Islamic Book Review شامل ہے جو دنیا میں اپنی نوعیت کا تنہا اور نہایت وقیع مجلّہ ہے اور ۱۹۸۰ء سے برابر شائع ہو رہا ہے۔

دارالمصنفین کا سرمایہ افتخار سیرت النبیؐ ہے۔ شروع ہی سے اسے نہایت اہتمام سے شائع کیا جاتا رہا ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کے ابتدائی اڈیشن نے اس زمانہ میں حسن طباعت کا ایک نیا معیار قائم کیا تھا ۔ گذشتہ دنوں میں جب حالات کے جبر نے اکیڈمی کے اشاعتی پروگرام کو بری طرح متاثر کردیا تھا سیرت النبیؐ کو اس وقت بھی استثنا کی حیثیت حاصل رہی ہے ۔ چنانچہ ۲۰۰۴ء میں اس کا ایک خوبصورت اڈیشن شائع کیا گیا تھا۔ ابھی گذشتہ دنوں اکیڈمی نے اس کا ایک دیدہ زیب اڈیشن شائع کیا ہے ۔ اس کے ٹائٹل کی کتابت مجمع الملک فہد لطباعۃ القرآن الکریم، مدینہ منورہ کے خطاط نے کی ہے ۔ شکر کا مقام ہے کہ تین سال پہلے اکیڈمی نے کتابوں کی معیاری طباعت کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد اب ۸۸ ہوچکی ہے ۔ لیکن اب بھی سوا سو سے زیادہ کتابوں کی اشاعت باقی ہے ۔ دعا ہے کہ اس بڑے منصوبے کی تکمیل کے لیے درکار ضروری وسائل کی فراہمی کی سبیل پیدا ہو۔

مقالات

علامہ شبلی کی سیرت النبی ﷺ میں وارد مستشرقین کا تعارف

جناب صاحب عالم اعظمی ندوی

(۲)

علامہ شبلی اس کے متعلق رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی کے مشہور عربی داں ہیں، کئی سال مدرسہ عالیہ کے پرنسپل رہے، لکھنؤ میں آکر شاہی کتب خانہ کی رپورٹ لکھی جو ہماری نظر سے گذری ہے، حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابہ فی احوال الصحابہ جلد اول انہوں نے ہی تصحیح کرکے کلکتہ میں چھپوائی، لیکن جب آنحضرتؐ کی سوانح عمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب تین جلدوں میں لکھی تو ہم حیرت زدہ ہوکر رہ گئے''۔(۱)

علامہ حیرت زدہ ہونے کی وجہ نہ لکھتے ہوئے ان جیسے مستشرقین کی غلط کاریوں کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے آگے نکل گئے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس نے اس اپنی کتاب میں حضورؐ کو (نعوذ باللہ) مرگی کا مریض قرار دیا ہے اور اسی لیے اس کے معاصر جرمنی نژاد مستشرق ''رودی پارٹ'' نے اس کی کتاب پر تبصرہ کیا کہ اس کتاب نے کئی پہلوؤں سے ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا اور ہمیں اس جیسے بڑے عالم سے ہرگز توقع نہیں تھی کہ وہ اس جیسی اہم کتاب لکھنے میں علمی اصول وضوابط کا پاس نہیں کرے گا۔(۲)

۸- وان کریمر، الفریڈ (۱۲۴۳-۱۳۰۶ھ/۱۸۲۸-۱۸۸۹ء) Von Kremer, Alfred قومیت: جرمنی): جرمنی میں ہی پیدا ہوا اور یہیں تعلیم وتربیت حاصل کی، تعلیم حاصل کرنے کے بعد حکومت نے اسے بطور کاؤنسل مصر پھر ۱۸۷۰ء میں بیروت بھیجا، جہاں اس نے اپنی سرکاری

دار العلوم کالج قاہرہ، مصر۔

ذمہ داریاں نہایت خوش اسلوبی سے نبھائیں، سیاست اور استشراق کے میدان میں اس نے اپنا خاص مقام پیدا کیا۔

علمی یادگار: استشراق کے میدان میں اس نے عربی مخطوطات کی نشر و اشاعت کی طرف خاص توجہ دی اور انہیں تحقیق و تبصرے کے بعد شائع کیا، اس کی شائع کردہ خاص کتابوں میں واقدی کی مغازی، ماوردی کی الاحکام السلطانیہ، عمری کی الاستبصار فی عجائب الامصار خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اس کے علاوہ اس نے اسلامی شاعروں کے متعلق کئی علمی مقالات شائع کیے، جہاں تک اس کی خاص تصنیفات کا تعلق ہے تو وہ یہ ہیں: ''یمن کے تاریخی آثار''، ''اسلام میں فرق و مذاہب کی تاریخ''، ''اسلامی خلافت کے سایہ میں مشرق کے تمدن کی تاریخ'' دو جلدوں میں (۱۹۵۷ء میں مصطفیٰ بدر نے اس کا عربی ترجمہ کیا)، ''اسلام میں رائج افکار کی تاریخ''، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے جرمنی مستشرق جوستاف بفانمولر رقم طراز ہے:

''وان کریمر کی یہ سب سے بڑی خوبی ہے کہ اس نے سب سے پہلے اسلام کا مطالعہ تمدنی زاویوں سے کیا اور اپنی کتاب ''اسلام میں رائج افکار کی تاریخ'' میں اسلام کو سمجھنے کے لیے عام تمدن کی تاریخ کے اہم وصف بیان کیے، مصنف کے نزدیک کتاب کی تالیف کا مقصد ہی یہی رہا کہ دین اسلام میں موجود رائج افکار کو بطور اس وصف کے نمایاں کیا جائے، یہ وہ قوانین ہیں جن میں تمدن کو تبدیل کرنے کے لیے کبھی بھی تبدیلی نہیں آسکتی''۔

مصنف کے اسی طرح کے افکار میں ان کی کتاب: اللہ، نبوت اور حکومت میں بھی جا بجا نظر آتے ہیں۔(۳)

۹- رائنھارٹ ڈوزی (۱۲۳۵ - ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۲۰ - ۱۸۸۳ء) Reinhart Dozy، قومیت ہالینڈ): ڈوزی ہالینڈ میں ایک ایسے فرانسیسی خاندان میں پیدا ہوا جس کے اکثر افراد استشراق سے جڑے ہوئے تھے، جس سے اس کی شخصیت سازی میں کافی آسانی ہوئی، سامی زبانوں میں اسے کافی مہارت حاصل تھی، لیڈن یونیورسٹی میں ۱۸۵۰ء سے ۱۸۷۸ء تک اس نے عربی کے استاذ کے طور پر خدمات انجام دیں، وہ لاطینی، فرانسیسی، انگریزی، ہسپانوی، جرمنی اور ہالنڈی زبانوں میں پورے اعتماد کے ساتھ طبع آزمائی کرتا تھا، اندلس کی تحقیقات کے حوالے سے مستشرقین کے درمیان اسے ماہر کا

درجہ حاصل ہے، اندلس کی تاریخ وتمدن کے باب میں اس کی کتابیں درجہ اول کا مآخذ شمار کی جاتی ہیں۔

علمی یادگار: ۱- عربی مخطوطات کے حوالے سے بعض تاثرات، سن طباعت ۱۸۴۸-۱۸۵۱ء، لیڈن، ۲- لیڈن یونیورسٹی میں موجود مشرقی قلمی کتابوں کی فہرست، سن طباعت ۱۸۵۱ء۔ ۳- اسپین میں مسلمانوں کی تاریخ مرابطین کی فتح تک، چار جلدیں، سن طباعت ۱۸۴۹-۱۸۶۱ء۔ ۴- عہد وسطی میں اسپین کی اسلامی تاریخ پر ایک نظر، دو جلدیں، سن طباعت ۱۸۸۱ء۔ ۵- مجلس ہالینڈ کے مشرقی قلمی کتابوں کی فہرست، سن طباعت ۱۸۵۱ء۔ ۶- تاریخ اسلام: آغاز اسلام سے ۱۸۶۳ء تک، اس کتاب کو ڈوزی نے ہالینڈی زبان میں تصنیف کیا تھا جسے مستشرق شوفین نے فرانسیسی زبان میں نقل کر کے لیڈن سے ۱۸۷۹ء میں شائع کیا۔(۴)

اس کی کتاب ''تاریخ اسلام'' پر جرمنی مستشرق جوستاف بفانمولر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

''جہاں تک ڈوزی کی کتاب (Essai sur l'histoire de L'Islamise) کا تعلق ہے تو یہ اصل میں ہالینڈی زبان میں (Het islamisme) کے عنوان سے ۱۸۶۳ء میں شائع ہوئی تھی، یہ گہرے مطالعہ پر مشتمل ایک جامع کتاب ہے۔ مصنف نے تاریخ کے آئینہ میں اسلام کی تاریخ کا مختلف زاویوں سے مختلف ملکوں اور مختلف حالات کے تحت مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ظاہری جامعیت کے باوجود کتاب میں کچھ مخصوص پہلوؤں (دینی پہلوؤں) پر بحث کرنے کی زیادہ کوشش کی گئی ہے اور اسلام کی سیاسی یا تمدنی تاریخ پر بہت ہی کم روشنی ہے۔ حالانکہ کوئی شخص اگر اسلام کی سیاسی اور تمدنی تاریخ کے ساتھ تمدن وثقافت کے میدان میں اسلام کے کارناموں پر نظر نہیں ڈالتا تو اسلام کا صحیح وصف بیان کرنا ایک ناممکن عمل ہوگا۔ اس کتاب کو لکھنے میں ڈوزی سے ایک فاش غلطی یہ ہوئی کہ اس نے علم وثقافت وتمدن کے میدان میں اسلام کے کارناموں کو بیان کرنے میں یکسر تجاہل سے کام لیتے ہوئے انہیں سرسری طور پر بیان کر دیا ہے۔ دیباچہ میں ڈوزی نے ملک عرب کے اصل دین کی بحث میں مستشرق اسپرنگر کی آراء پر بھروسہ کیا ہے، دین محمدؐ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈوزی اپنے استاذ سے بھی آگے نکل گیا ہے وہ کہتا ہے: دین محمدؐ قدیم دین حنفی ہی کا چربہ ہے، جس میں محمدؐ نے مخصوص ترتیبات اور ثابت عقیدہ اور عبادت کی نئی شکلوں کا اضافہ کر دیا اور الٰہی جواز سے اس کو تقویت دے دی، اس میں جو چیز نئی ہے وہ محمدؐ کا یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کے رسول

ہیں۔ڈوزی نے دو فصلوں یعنی ''محمدؐ ہجرت سے پہلے''، ''محمدؐ ہجرت کے بعد'' میں نبی کی شخصیت، ان کی خاص و عام زندگی، ان کی تعلیمات اور وہ خاص حالات جن سے وہ گذرے، نیز معاشرہ میں ان کی تاثیر، وفات تک دین اسلام کی ترقی و فروغ کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے، اس کتاب میں محمدؐ کی شخصیت کے حوالے سے ڈوزی نے جو مرقع پیش کیا ہے اس سے محمدؐ کی شخصیت پر کوئی مخصوص حکم لگانا ایک مشکل کام ہے کیوں کہ ڈوزی کے بیان میں کافی تضاد ہے، کبھی وہ محمدؐ کی شخصیت کو قصداً ایک مریض کی شکل میں کبھی جھوٹا اور مکار و دغاباز کی شکل میں پیش کرتا ہے اور کہیں کہیں محمدؐ کی شخصیت اس طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ایک صاحب شریعت اور صاحب عقیدہ انسان ہیں۔اس کے بعد ''قرآن و سنت اور افسانوں'' کا باب ہے۔قرآن کے بارے میں ڈوزی کا کہنا ہے کہ وہ ایک حد درجہ ذوق کو خراب کرنے والی اکتا دینے والی مبالغہ آمیز چیز ہے۔اسلامی تعلیمات کے تعلق سے ڈوزی نے نہایت مختصر بیان پر اکتفا کیا ہے، عقیدے کے لیے صرف دو صفحے خاص کیے ہیں، اخلاقی تعلیمات بھی نہایت سرسری طور پر بیان کی ہیں۔اسلامی تاریخ کے حوالے سے اسلام کی سیاسی تاریخ بھی صحیح طریقے پر پیش نہیں کی، اسلام کے فرقوں، تحریکوں اور فلسفیانہ رجحانات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، جیسے: ابتدائی فرقے و جماعتیں، عباسی اول کے عہد میں اسلام کی حالت، فرقہ اسماعیلیہ، صوفیت وغیرہ (۵)۔''یورپ میں اسلام'' کے عنوان سے اسپین اور شمالی افریقہ کے حالات پر بحث ہے، ترکوں، منگولوں، ہندوستان اور چین کے بعد ڈوزی نے وہابی جماعت پر زیادہ بحث کی ہے۔آخری فصل میں ''عصر حاضر میں اسلام کی پوزیشن'' کے عنوان سے وہ اسلام کے مستقبل کا مسئلہ پیش کرتا ہے کہ آیا عیسائیت اس پر غلبہ حاصل کر پائے گی یا اس سے ٹکر لے سکے گی؟ اس کی رائے ہے کہ اسلام کے خاتمے کا تصور ممکن نہیں لہٰذا وہ رومن کیتھولک چرچ کی طرح طویل مدت تک باقی رہے گا''۔(۶)

۱۰- میور، سر ولیم (۱۲۳۴-۱۳۲۲ھ/ ۱۸۱۹ - ۱۹۰۵ء) Muir, Sir William، **قومیت: انگلستان**): اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا، اڈنبرا یونیورسٹی سے فراغت کے بعد اسی یونیورسٹی میں تدریسی خدمات انجام دیں، علمی شہرت کی وجہ سے حکومت نے ۱۸۳۷ء میں ہندوستان بھیج دیا، ۱۸۶۵ء میں انگریزی حکومت نے اودھ کا گورنر بنا دیا، ۱۸۶۸ء تک گورنری کے فرائض انجام دینے کے بعد اسے ۱۸۸۵ء میں اڈنبرا یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنا دیا گیا، ۱۹۰۲ء تک وہ اس

عہدے پر فائز رہا۔

علمی یادگاریں: ''سیرت محمدؐ'' چار جلدوں میں، لندن سے ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۱ء تک شائع ہوتی رہی، ''خلافت کا مدوجزر'' ۱۸۸۳ء، ''اسلامی ماخذ'' ۱۹۰۱ء، ''مصر میں غلاموں کی حکومت''، وغیرہ۔(۷) سیرت محمدؐ پر جرمنی مستشرق جوستاف بفانمولر نے تبصرہ کیا کہ (۸) جہاں تک میور کا تعلق ہے تو وہ گو اپنی انگریزی ارتھوڈکسی کے باوجود محمدؐ کے ساتھ اپنے علمی سفر میں کافی حد تک ہمدرد رہا تاہم جابجا یہ تلبیس بھی کی کہ محمدؐ شیطانیت کے سایہ کا شکار ہوگئے، میور کی اس کتاب میں اہم اور ضروری علمی مواد کی جو کسی حقیقی اور سچی سیرت نگاری کے لیے اہم چیز ہے، کافی کمی ہے، البتہ بعض اہم ناقدانہ مقالات ہیں جو اپنے آپ میں ایک قیمت رکھتے ہیں۔(۹)

۱۱- برتھالمی سینٹ ہلیر (۱۲۱۹-۱۳۱۲ھ/۱۸۰۵-۱۸۹۵ء) Barthelemy' Saint-Hilaire، قومیت: فرانس): مصنف اور سیاست داں تھا مختلف مذاہب پر کئی کتابیں لکھیں، جیسے:

۱- بودھا ہندوستانی سن طباعت ۱۸۵۹ء، ۲- محمد و قرآن (Mohomet et Le Coran) سن طباعت ۱۸۶۵ء، اس کے علاوہ کئی مقالات بھی ایشیا ٹک میگزین میں شائع کیے، جیسے بادشاہ نعمان، شامی عامی زبان میں عربی قصہ ۱۸۸۷ء، شامی زبان کے لہجہ کے اصول ۱۸۸۷ء، حلب کے مقامی لہجہ پر مطالعہ ۱۹۰۵ء، قدس کے مقامی لہجہ پر مطالعہ ۱۹۰۶ء۔(۱۰)

۱۲- نولدیکی، تھیوڈر (۱۲۵۱-۱۳۴۸ھ/۱۸۳۶-۱۹۳۰ء) Theodor, Noldeke، قومیت: جرمنی): جرمنی کے شہر ہمبرگ میں ایک معزز گھرانے میں اس کی پیدائش و نشوونما ہوئی، جہاں اکثر افراد علمی و حکومتی انتظامیہ کے مناصب پر فائز تھے۔ مادری زبان کے علاوہ سامی، عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت میں کمال پیدا کیا، ۱۸۵۶ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، نیز برلین و لیڈن و ویانا میں تعلیمی مراحل پورے کیے۔ سامی زبانوں اور اسلامی تاریخ کے استاذ کی حیثیت سے جرمنی کی کئی یونیورسٹیوں میں خدمات انجام دیں۔

علمی یادگاریں: ۱- قرآن کی سورتوں کی اصل و ترکیب سن طباعت ۱۸۶۹ء، اس مقالہ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، ۲- مستشرق اسپرنگر کی کتاب ''سیرت محمدؐ'' کی تصنیف میں علمی تعاون کیا، ۳- ''سیرت محمدؐ'' (Das Leben Mohammeds) سن طباعت ۱۸۶۳ء، اس کے علاوہ

اسلامی علوم، عربی زبان وادب اور ترجمہ وتحقیق کے میدان میں اس کی کئی گراں قدر کتابیں ہیں۔(۱۱)

''سیرت محمدؐ''، پر مستشرق جوستاف بفانمولر نے لکھا''انیسویں صدی کے سات کی دہائی محمدؐ کی سیرت نگاری میں خاص اہمیت کی حامل ہے، محمدؐ کی سیرت پر مضامین قرآن و اسلام کے مصنف نے طبع آزمائی کی ہے، لکھنے کا مقصد اور سیرت کے حوالے سے اپنے اسلاف کے متعلق خیالات بھی پیش کیے ہیں۔

محمدؐ کے تعلق سے نولدیکی کا اجتہاد یہ ہے کہ یہ کام اسپرنگر کی طرح سخت انداز اپنانے کے بجائے اصول پسندی اور سنجیدگی کے پیرائے میں ہونا چاہیے، اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ وہ محمد کے ساتھ منصف ہو تو اسے اپنے اوپر یہ لازم کرلینا چاہیے کہ وہ آپؐ کو آپ کی زندگی میں صرف ایک نبی و مبلغ و قائد ہی کی حیثیت سے نہ دیکھے بلکہ اس نظر سے بھی دیکھے کہ وہ اپنی روزانہ کی زندگی میں اپنے صحابہؓ کے ساتھ معاملات میں کیسے تھے۔ وہ عالی ظرف اور نیک طینت کے مالک تھے۔(۱۲)

۱۳- سیدیو، جان جاک (۱۱۹۰-۱۲۴۷ھ/۱۷۷۷-۱۸۳۲ء) Sedillot, J.J.، قومیت: فرانس): عربی زبان پر عبور حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر پر ہی علمی کاموں میں مشغول رہا، عرصے تک اسی اسکول میں تعلیم کے فرائض انجام دیے جہاں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ عرب اور فلکیات کی اہمیت پر ایک تحقیق شروع کی مگر مکمل شائع کرنے سے پہلے ہی اس دنیا سے چل بسا، اس کی معرکۃ الآراء کتاب ''تاریخ العرب'' ہے جو ۱۸۷۷ء میں طبع ہوئی، جس میں اس نے یورپی تمدن پر اسلامی عربی تمدن کی چھاپ اور اس کی فضیلت پر بہت ہی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔(۱۳)

۱۴- ولہوسن، جولیس (۱۲۵۹-۱۳۳۶ھ/۱۸۴۴-۱۹۱۸ء) Julius, Wellhausen، قومیت: جرمنی): جرمنی کے شہر ہملن میں پیدا ہوا، دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۸۷۰ء سے عہد قدیم کی تاریخ کی تدریس پر مامور ہوا، جرمنی کی کئی یونیورسٹیوں میں تاریخ کے استاذ کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔

علمی یادگاریں: اسلامیات میں کئی علمی و تحقیقی کام کیے، جیسے: ۱- عربی حکومت، ۲- خوارج اور شیعہ، ۳- اسلام کے ظہور سے لے کر اموی خلافت تک عربی حکومت کے عروج و زوال کی تاریخ، ۴- محمدؐ مدینہ میں (یہ واقدی کی کتاب ''المغازی'' کا ترجمہ ہے)، ۵- اسلامی تاریخ کی ابتداء

چھ جلدوں میں، ۶-عہد نبویؐ کے مدینہ کا دستور، ۷-اسلام میں مختلف سیاسی جماعتیں۔(۱۴)

''تاریخ الدولۃ العربیہ من ظہور الاسلام الی نہایۃ الدولۃ الامویۃ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عصر نبوی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی ہے، گو وہ نبیؐ اور آپؐ کی دعوت کے بارے میں یہودیت اور عیسائیت سے متاثر ہو کر براہ راست حملہ آور نہیں ہوا ہے لیکن تحویل قبلہ کی بحث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو یہودیت کا تابع مانتا ہے جیسے یہ قول کہ ''مکہ کو اسلام کی مرکزیت کے لیے خاص کر دیا گیا اور اس طرح اسلام کو ہمیشہ کے لیے یہودیت سے الگ کر کے عربوں کا قومی دین بنا دیا گیا'' (۱۵)۔ یہود سے اس کی ہمدردی صاف ظاہر ہے کہ ''محمدؐ نے یہودیوں کے ساتھ کیے گئے معاہدات توڑ دیئے اور چند ہی سالوں میں کچھ معمولی اسباب کا سہارا لے کر یہودیوں کو جلاوطن کر دیا''۔(۱۶)

یہی انداز اس نے آپؐ کی سیاسی زندگی کی تعبیر میں اپنایا ہے۔اس کا طرز فکر اس جملے سے ظاہر ہے کہ محمدؐ نے اپنے پیغام کے حوالے سے کبھی بھی یہ نہیں سوچا کہ ان کی دعوت سے مختلف جگہوں کے لوگ جڑیں، جب کہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنی دعوت سے افراد کو جوڑتے لیکن اس کے بجائے انہوں نے پوری پوری جماعتوں کو جوڑا، کیونکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی عربی قوم کو اپنے لیے ایک دینی جماعت کی شکل دیں۔(۱۷)

۱۵-گارڈ فری ہیگنس (۱۱۸۵-۱۲۴۸ھ/۱۷۷۲-۱۸۳۳ء) Godfrey Higgins، **قومیت: انگلستان):** انگلینڈ میں پیدائش ہوئی، تعلیم و تربیت کے بعد ماہر اثریات کی حیثیت سے معروف ہوا، کئی تنظیموں سے وابستہ رہ کر سماجی مصلح اور علوم اسلامی میں شہرت پائی۔

علمی یادگاریں: ۱-(Horae Sabbaticae,P.1826) یہ عیسائیوں اور یہودیوں کے مقدس دن یعنی ہفتہ کے دن کے متعلق ہے، ۲-(The Celtic Druids,P.1827-29) یہ عیسائی مبلغین کے ایک خاص فرقے کے بارے میں ہے، جس میں مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یہ فرقہ (Celtic Druids) ہندوستان سے ہجرت کر کے انگلستان میں سکونت پذیر ہو گیا تھا، ۳-(An Apology for the life and character of the celebrated Prophet of Arabia called Mohamed, or the Illustrious) یہ کتاب ۱۸۲۹ء میں

چھپی تھی (۱۸)۔اس کے حوالے سے علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک اقتباس پیش کرنا بہتر ہوگا، علامہ نے ہیگنس کے قول کو نقل کیا ہے جس میں وہ حضورؐ کی سیرت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''عیسیٰؑ کے پیروکاروں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ محمدؐ کی شخصیت و دعوت نے آپ کے صحابہ کے دلوں میں جس طرح کی غیرت پیدا کردی تھی اس جیسی غیرت وحمیت عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروکاروں کے دلوں میں کبھی بھی پیدا نہ ہوسکی تھی اور اگر کوئی شخص اس بات کی جستجو کرنا چاہتا ہے تو اسے ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ جب عیسیٰؑ کے دشمن انہیں سولی دینے کے لیے لے کر چلے تو ان کے حواری منتشر ہوکر بھاگ چلے نیز دین داری کا جو جھوٹا چغہ پہن رکھا تھا اسے اتار پھینک اپنے نبی سے دستبردار ہوگئے اور انہیں ان کے دشمنوں کے ہاتھ زہر کا پیالہ پینے کے لیے سونپ دیا، جہاں تک محمدؐ کے اصحاب کا تعلق ہے تو وہ اپنے نبی پر حملوں کے وقت نہ صرف ان کے ڈھال بنے رہے بلکہ جب تک انہیں اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل نہیں ہوا اس وقت تک اپنی جان پر کھیل کر ان کا دفاع کرتے رہے''۔(۱۹)

۱۶- اڈورد، ولیم لین (۱۲۱۵-۱۲۹۲ھ/۱۸۰۱-۱۸۷۶ء) Edward William Lane، قومیت: انگلستان): انگلینڈ میں پیدائش ہوئی اور یہیں تعلیم وتربیت حاصل کی، عربی زبان سے خاص دلچسپی رہی، مصر کے قیام میں اس نے عربی میں مہارت حاصل کی۔

علمی یادگاریں: ۱- (Manners and customs of the Modern Egyptians.P.1836)، ۲- (Englishwoman in Egypt: Letters from Cairo)، ۳- (The Genesis of the Earth and of Man 1854)، ۴- (Selections from the Keur'an.P.1843)۔(۲۰)

۱۷- رجنلاڈ، باسورتھ اسمتھ (۱۲۵۴-۱۳۲۵ھ/۱۸۳۹-۱۹۰۸ء) Reginald Bosworth Smith، قومیت: انگلستان): انگلینڈ میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد ایک اسکول میں مدرس کی حیثیت سے عملی زندگی شروع کی، مختلف کالجوں میں دینیات پر لکچر زدیئے اور کئی علمی وتحقیقی تصنیفات سپرد قلم کیں۔(۲۱)

علمی یادگاریں: ۱- Life of Lord Lawrence، ۲- Carthage and the

Carthaginians, Mohammed and Mohammedanism, P.1874, P.1913،
موخرالذکر کتاب دراصل اس کے چار لکچروں کا مجموعہ ہے جو اس نے ۱۸۷۲ء میں ہارو اسکول (Harrow School) میں دیے تھے۔ ۱۸۷۴ء میں فروری سے مارچ تک اس نے کچھ اور خطبات دیے، جنہیں جمع کر کے اسی سال ''محمد اور اسلام'' کے نام سے شائع کیا گیا، جس میں اس نے ایک مصنف مستشرق کا کردار ادا کرتے ہوئے اصل حقائق سے پردہ اٹھایا اور اپنے معاصر مستشرقین میور اور اسپرنگر کے کذب وافتراء پر ناقدانہ بحث بھی کی (۲۲)، ایک جگہ وہ رقم طراز ہے: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ محمدؐ بیک وقت سیاسی قائد اور مذہبی پیشوا دونوں تھے لیکن ان میں عیسائی مذہبی فرماں رواؤں کی طرح نخوت ودرشتی نام کو نہ تھی، نہ ان کے پاس ملک قیصر کی طرح خدم وحشم تھے، نہ لشکر جرار تھا اور نہ قصر شاہی تھا، حقیقت میں اگر کسی کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے خدا کے اعتماد وتوکل پر حکومت کی تو وہ صرف محمدؐ کی نیک ذات ہے، کیونکہ نہایت ہی بے سروسامانی کی حالت میں انہوں نے نہ صرف ایک پاکیزہ مثالی حکومت قائم کی اور اسے کامیابی سے ہم کنار کیا''۔ (۲۳)

اسلام سیرت طیبہ کے حوالے سے اس نے جو مسکت و مدلل وضاحتیں پیش کی ہیں وہ نہایت ہی دل آویز ہیں، اسی لیے علامہ شبلی (۲۴) اور ان کے شاگرد رشید نے جگہ جگہ اس مستشرق کی کتاب سے اقتباسات پیش کیے ہیں۔ (۲۵)

۱۸- آرتھر نائکر والسٹن (۱۲۵۷-۱۳۴۰ھ/۱۸۴۲-۱۹۲۲ء) WollastonArthur Naylor

قومیت: انگلستان): اسٹاک ویل گرام اسکول (Stockwell Grammar) میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انڈیا آفس میں بطور سینئر کلرک ملازمت کی، محنت وایمان داری کی وجہ سے ۱۸۸۶ء میں انڈیا آفس کا نگران اعلیٰ بنا دیا گیا، کبھی ہندوستان جانا نہیں ہوا مگر محنت اور شوق سے فارسی زبان میں اتنی مہارت حاصل کی کہ لندن کے اسٹیفن کالج میں ۱۸۹۸ء میں ممتحن کی خدمات انجام دیں، ۱۸۸۰ء میں کینسنگٹن میوزیم میں مشرقی مخطوطات کے ترجمہ کی نگرانی بھی سونپی گئی۔

علمی یادگاریں: کئی گراں قدر کتابیں چھوڑیں جن میں سرفہرست ''انوار سہیلی'' کا انگریزی ترجمہ اور English Persian Dictonary, P.1882)، (The Sword of Islam, P.1905)، (Dictionary of National Biography, P.1885-1900)،

(Half Hours with Muhammad....: ،(The Religion of the Koran) Together with a Short Synopsis of the Religion he Founded, (P.1886(۲۶)وغیرہ ہیں۔

موخرالذکر کتاب میں ایک جگہ رقم طراز ہے:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ نوع انسانی کے حوالے سے جتنی گہری تاثیر نبیؐ نے چھوڑی ہے وہ کرۂ ارض پر قدم رکھنے والے کسی بھی شخص کو نصیب نہیں''۔(۲۷) اور یہ کہ آپؐ کی حکومت لوگوں کے دلوں پر ہے اور یہ ایک بے نظیر کامیابی ہے جو نوع انسانی کی تاریخ میں شاید ہی کسی شخص کو حاصل ہوئی ہو''۔(۲۸)

۱۹- میجر آرتھر گلائن لیونارڈ Major Arthur Glyn Leonard، **قومیت انگلستان:**

اس مستشرق کی علمی اور عملی زندگی کے بارے میں معلومات مفصل نہیں ملے لیکن بعض علمی کاموں کی خبر ضرور ملی۔

علمی یادگاریں: ۱- The Lower Niger and its Tribes, P.1906، ۲- The Camel, its uses and management. P.1894، ۳- How We Made Rhodesia. P.1896، ۴- Islam: Her moral and spiritual Value: A Rational and Psychological Study. P.1909، موخرالذکر کتاب میں سید امیر علی کا تفصیلی مقدمہ ہے، جس میں انہوں نے کتاب کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے صاحب کتاب کا شکریہ ادا کیا ہے کہ اس نے اسلام اور سیرت نبویؐ کے حوالے سے انصاف سے کام لیا اور اسلام کی عظمت کا اعتراف کیا ہے، ان کے الفاظ ہیں:

> ''مجھے خوشی ہے کہ میں اس کتاب کا تعارف اسی اظہار مسرت اور دلچسپی کے ساتھ کر رہا ہوں جس کے ساتھ میں نے میجر لیونارڈ کی اس منفرد کتاب کو پڑھا ہے جو ایک ایسے موضوع پر لکھی گئی ہے جو بہت ہی اہمیت کا حامل اور نہایت ہی حساس ہے۔ کتاب کی آٹھ فصلوں میں انہوں نے ان ہر اس سوال کا تشفی بخش جواب دیا ہے جو محمدؐ اور اسلام کے مقاصد سے متعلق ہیں، موضوعات فلسفیانہ انداز میں بیان کیے گئے ہیں، مگر اسلام اور حضورؐ کی شخصیت کی تقدیس ہر جگہ

ملحوظ نظر ہے اور صحیح حکم لگانے سے نتائج بھی مثبت انداز میں ظاہر ہوئے ہیں۔ آخر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ عقلی رائے جو بھی ہو مگر میں یہ محسوس کر رہا ہوں میجر لیونارڈ نے ایک نہایت ہی اہم اور دلچسپ موضوع پر منصفانہ قلم اٹھا کر علمی دنیا کو اپنا قرض دار بنا دیا ہے''۔(۲۹)

اسلامی عقیدے کے حوالے سے مصنف اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

''اسلامی عقیدے کی دو امتیازی خصوصیت ایسی ہیں جنہوں نے مجھے شخصی طور پر ہمیشہ گرویدہ بنائے رکھا، ایک اللہ تعالیٰ کا عقائدی تصور، دوسرے اس کی ذات لاشریک پر ایمان و یقین، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص و محبت کا جذبہ جو اکثر گناہوں سے دور رکھتا ہے''۔(۳۰)

حضورؐ کی بعثت مبارک سے دنیا کو کیا فائدہ پہنچا، (مصنف نے یہاں صرف عربوں کو خاص کر دیا ہے جب کہ اس کا تعلق پورے نوع انسانی سے ہے) مصنف لکھتا ہے:

''یہ محمدؐ کی عبقریت تھی کہ انہوں نے اسلام کے ذریعہ عربوں کی مردہ زندگیوں میں جان ڈال دی اور ان عربوں کی یہ خوش قسمتی تھی کہ انہیں اسلام سے سرفراز کیا گیا، جس اسلام نے نہ صرف انہیں بدوی قبائلی عصبیت سے نکال کر ایک پرچم تلے اکٹھا کیا بلکہ انہیں عالم کی حکمرانی عطا کی، یہ محمدؐ کی نبوت کا جلال و جمال نیز آپؐ کی سادگی، اعتدال پسندی، سنجیدگی اور پاکیزگی تھی جس نے عربوں کی اخلاقی اور فکری تربیت کی اور انہیں انسانیت کا درس دیا''۔(۳۱)

کتاب کا آٹھواں حصہ یورپ پر اسلامی تمدن کے احسانات کو بیان کرنے کے لیے خاص کیا گیا ہے، جدید علوم و تمدن کی تشکیل اور ترقی میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی تاثیر پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ایک جگہ لکھتا ہے:

''آج ہم اپنے متعلق یہ سوچتے ہیں کہ ہم تمدن و ثقافت کی بلندترین رفعت حاصل کر چکے ہیں لیکن کیا یہ حق نہیں ہے کہ ہم اس کا اعتراف کریں کہ ہمیں یہ رفعت عربوں اور مسلمانوں کے ماضی کی ثقافتی اور تمدنی ترقیوں کے طفیل میں ملی ہے کہ اس وقت تک پورا یورپ جہالت کے اندھیرے میں بھٹک رہا تھا''۔(۳۲)

۲۰۔ سگسمونڈ ولہم کوئل (۱۲۳۵-۱۳۱۹ھ/۱۸۲۰-۱۹۰۲ء)، Sigismund Wilhelm

Koelle، قومیت جرمنی: علامہ شبلی نے اس کی قومیت انگلستان لکھی ہے دراصل یہ جرمن نژاد ہے، جرمنی کے شہر سیلیبرن (Cleebronn) میں پیدا ہوا مگر لندن میں کافی سال گذارے، یہ عیسائی مبلغ تھا اور اس کا نام افریقی زبانوں میں عبور حاصل کرنے والوں کی پہلی صف میں آتا ہے، شہر باسلے (Basle) عیسائی اسکول میں مبلغ کی تربیت حاصل کرنے کے بعد ۱۸۴۵ء میں لندن کے چرچ مشنری سوسائٹی میں منتقل ہوگیا، ۱۸۴۷ء سے افریقہ کے ملک سیرالیون میں بطور عیسائی مبلغ کے خدمات انجام دیں۔

علمی یادگاریں: ۱- Grammar of the Bornu or Kanuri language (1854، ۲- Being an historical comparision between Mohammedanism and Christianity 1865، ۳- The death of Christ upon the cross. A fact, not a fiction, 1885)، ۴- (Is Mohammed as innocent of imposture as Jesus Christ?, in: Church missionary intelligencer and record 1890)، ۵- The apocatastasis or restitution of all things, London 1896)، ۶- Mohammed and Mohammedanism: Critically Considerd, Rivingtons, London, England, 1889)۔ (۳۳)

اس مستشرق نے اسلامی حقائق سے پردہ پوشی اختیار کی اور موخرالذکر کتاب میں اس نے اسلام اور حضورؐ پر غیر منصفانہ انداز میں سخت تنقیدیں کیں، اس کی پوری کتاب کذب وافتراء کا مرقع ہے، ذیل میں اس کے چند ہفوات بطور مثال درج کیے جاتے ہیں:

نبوت اور اسلام کے متعلق لکھا کہ اسلام کی بنیاد ہی خون خرابہ پر قائم ہوئی اس کے الفاظ میں:

''اسلام کے قیام سے لے کر آج تک اس کی راہ میں خون کے سوا کچھ بھی نہیں بہا اور یہ عمل صدیوں پر محیط ہے، لہٰذا ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ عیسی مسیح اور محمدؐ میں کتنا بنیادی فرق ہے کہ اول الذکر نے اپنا خون بہا کر اپنے دین کی بنیاد رکھی، جبکہ موخرالذکر نے دوسروں کا خون بہا کر اسلام کی بنیاد رکھی''۔ (۳۴)

دوسری جگہ رقم طراز ہے: ''(نعوذ باللہ) اعلی اخلاق میں عیسی مسیح کو ہمیشہ محمد پر فوقیت

حاصل رہی اور محمد کے اندر لوگوں کے تئیں ویسا اخلاص کبھی نہیں رہا جو عیسی مسیح کی خاصیت ہے'' اور یہ کہ محمدؐ کو عیسائیت کو جاننے اور سمجھنے کا ابتداء سے موقع ملتا رہا، اس کے الفاظ ہیں ''محمد کی پہلی بیوی نے اپنے عیسائی چچا سے آپ کا تعارف کرایا، آپ کی ایک بیوی نے حبشہ میں عیسائیت قبول کر لی تھی اور آپ کی سب سے چہیتی بیوی ماریہ قبطیہ جو مصر سے آئی تھی وہ بھی عیسائی تھی۔ عیسائی راہبوں سے آپ کے تعلقات تھے اور آپ ارتھوڈکس چرچ کے تعلیم یافتہ پادریوں سے دینی امور پر بات چیت کرتے تھے، ان دنوں توریت اور انجیل حاصل کرنا بہت ہی آسان تھا کہ عام وخاص لوگوں میں یہ دینی کتابیں بہت ہی عام تھیں، اگر انھوں نے انہیں حاصل کرنے کی کوشش کی ہوتی تو آسانی سے دستیاب ہوسکتی تھیں لیکن چونکہ وہ گناہ کے نیچر کو نہیں جانتے تھے، لہٰذا وہ اس علاج کو سمجھ ہی نہ سکے جس علاج کو انجیل میں پیش کیا گیا ہے''۔(۳۵)

درج بالا اقتباسات پر کسی قسم کا تبصرہ وقت کا ضیاع ہے کہ اس مستشرق کو سب کچھ پتا ہوتے ہوئے بھی کچھ معلوم نہیں اور واقعات کو مسخ کرکے اپنے خیالات کے تابع بنا کر پیش کرنا مستشرقین اور عیسائی مبلغین کا پوری تاریخ میں خاص پیشہ رہا ہے۔

۲۱- جون آدم مولر (۱۲۱۰-۱۲۵۳ھ/۱۷۹۶-۱۸۳۸ء)، John Adam Mohler، قومیت جرمنی: جرمنی میں پیدائش ہوئی اور یہیں مختلف عیسائی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد یونیورسٹی آف توبنگن (Tubingen) سے دینیات میں ۱۸۱۹ء میں اعلی تعلیمی ڈگری حاصل کی، ۱۸۲۲ء میں کیتھولک دینیات پڑھانے کے لیے بطور لکچرر تقرری ہوئی، تعلیمی سلسلہ شروع کرنے سے پہلے جرمنی کی متعدد یونیورسٹیوں میں خصوصی تربیت کے لیے اسی سال بھیجا گیا، پھر عیسائی مذہب کی تاریخ وقوانین کی تدریس سپرد کی گئی، اسی یونیورسٹی میں اس نے عمر بھر بحث وتحقیق اور تعلیم کی خدمات انجام دیں۔

علمی یادگاریں: ۱۸۲۷ء میں اس نے سب سے پہلے دو جلدوں میں کتاب Athanasius the Great and the Church of his time, in her struggle against Arianism شائع کی، ۱۸۳۲ء میں لکچرز کا پہلا مجموعہ Symbolic کے عنوان سے شائع کیا، ۱۸۳۵ء میں The Unity of the Church شائع کی، ان علمی کاموں کے علاوہ مجلوں میں

دینیات پر مضامین شائع کرتا رہا جس میں مجلّہ Theologische Quartalschrift سرفہرست ہے، اس کی مختصر مگر جامع کتاب On the Relation of Islam to the Gospel اس کے شائع شدہ مضامین کا مجموعہ ہے، یہ دراصل سیرت نبویؐ پر ایک غیر منصفانہ تنقیدی عمل ہے، جسے عیسائی مشنری نے ۱۸۴۷ء میں ایک طویل مقدمہ کے ساتھ کلکتہ کریسچین انٹیلی جنس سے شائع کیا، مترجم (Rev.J.P. Menge) نے مقدمہ میں کتاب کا تعارف کراتے ہوئے اسلام اور نبیؐ کی ذات پر اظہار خیال کیا، مترجم لکھتا ہے ''ڈاکٹر مولر کی اس کتاب کے ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ محمدؐ کی سیرت پر کتاب کی روشنی میں مزید رائے زنی کی جائے نیز ان کے جدید دین اور نظام شریعت کی بنیاد اور خواص پر سیر حاصل بحث ہو۔(۳۶)

مصنف نے سیرت نبویؐ کے حوالے سے مختلف پہلوؤں سے گفتگو کرتے ہوئے اسلام اور نبیؐ پر سخت نکتہ چینی کی ہے، جیسے:

۱-اسلام کے سارے اصول ومبادی عیسائی مذہب سے ماخوذ ہیں۔

۲-چونکہ عربوں میں کثرت ازدواج اور میل الی النساء کی رسم بہت عام تھی لہٰذا محمدؐ بھی اس سے متاثر ہوئے۔

۳-مذہب اسلام کی تبلیغ میں قتل وغارت گری کا طریقہ اپنایا گیا یعنی باطل، لغو اور بے بنیاد اتہامات کو اس کتاب میں بھی دہرایا گیا۔ مترجم کے مقدمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور سیرت طیبہ پر اعتراضات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس میں جوستاف ویل، واشنگٹن ارونگ، اسپرنگر، کوئل وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔

۲۲-کائتانی، پرنس لیونی (۱۲۸۵-۱۳۴۴ھ/۱۸۶۹-۱۹۲۶ء) Caetani, Leone، قومیت اٹلی: روم میں پیدا ہوا، روم یونیورسٹی (La Sapienza) سے ۱۸۹۱ء میں ڈاکٹریٹ کی اعلی ڈگری حاصل کی، مشرقی زبانوں سے خاص دلچسپی رہی، سات زبانوں میں عبور رکھتا تھا جن میں فارسی اور عربی سرفہرست ہیں، اٹلی میں اسے اول درجہ کا مستشرق قرار دیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس موروثی دولت پانچ ملین سونے کے لیرے سے زیادہ تھی، اس کی بیوی کی دولت الگ تھی، ہر سال یہ پرنس علم کی طلب میں دس ہزار سونے کے لیرے خرچ کرتا تھا، طالب علمی کے

زمانے میں ہی اس نے ہندوستان، ایران، مصروشام ولبنان کا علمی سفر کیا اور ایک خطیر رقم خرچ کر کے قلمی نسخوں کا ایک بہترین مجموعہ اپنے ساتھ اٹلی لایا۔

علمی یادگاریں: تصنیفی میدان میں اس نے تین منصوبوں پر کام کیا، اول: اسلامی وقائع (Annali dell'Islam)، اس میدان میں سب سے پہلا پروجیکٹ اسلام کی تاریخ تھا جو حضورؐ کی ہجرت سے لے کر اموی خلافت کے اختتام یعنی ۱۳۲ھ/۷۴۹ء کے عرصے پر محیط ہے لیکن یہ منصوبہ مکمل نہیں ہوسکا اور صرف حضرت علیؓ کی خلافت تک کام ہوسکا، پہلی جلد ۱۹۰۴ء اور دسویں آخری جلد ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی، اس کی تالیف سنین کے مطابق اسی طرح ہے جیسے تاریخ طبری اور تاریخ ابن اثیر وغیرہ ہیں، ساری فصلوں کو جمع کر کے ''مشرقی تاریخ کے مطالعات'' کے نام سے شائع کیا گیا، سارے مواد کو چار جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ تھا مگر صرف پہلی اور تیسری جلد ہی شائع ہوسکی۔ دوم: اسلامی تاریخ، دوسرا پروجیکٹ مختصر اسلامی تاریخ لکھنے کا تھا، جس میں ہجرت کے پہلے سال سے ۹۲۲ھ/(۶۲۲-۱۵۱۷ء) تک کے اسلامی واقعات کو جمع کیا گیا ہے، اس کی تیاری میں کثرت سے عربی مخطوطات سے استفادہ کیا گیا اور اسے درج ذیل عنوان سے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۸ء تک شائع کیا گیا: (Cronographia Islamica, ossia riassunto Cronologico della storia di tutti, I popoli musulmani dall'anno I all'onno CMXXII della higra (622-1517 E.V.), correllato dalla bibliografia di tutte le fonti stampatie e (manoscritti)، سوم: شخصیات، اس میں دو کتابیں سرفہرست ہیں: ۱- معجم الاعلام العربیہ: اس میں ساری اہم اسلامی شخصیات اور مقامات کو ابجدی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے، ۲- اٹلی مصنفین اور ان کی تصنیفات کی کتابیات (Saggio di un dizionario bio-bibliografico italiano)، اس کی صرف ایک جلد روم سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔

سیرت نبویؐ اور خلفائے راشدین کی تاریخ میں کائتانی نے شدید ناقدانہ رویہ اپنایا ہے، اس نے اسلامی تاریخ کے ماخذ کے صحت میں حد درجہ شک کا اظہار کیا ہے، نیز دینی پہلوؤں کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے حضورؐ کی بعثت و رسالت نیز اسلامی فتوحات کی تفصیل پیش کرتے ہوئے

یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عرب فاتحین کے دلوں میں دین جدید کی کوئی خاص تاثیر نہیں تھی، اس نے ہوگو ونکلر (Winckler) کے نظریہ کو دہرایا کہ چونکہ جزیرہ عرب میں بتدریج قحط وخشک سالی واقع ہوتی رہی جس کی وجہ سے محمدؐ کو دین جدید پیش کرنے اور پھر پڑوسی ملکوں کو فتح کرنے کی ترغیب ملی۔ روم وفارس پر اسلامی فتوحات کی وجہ اس کی نظر میں یہ ہے کہ چونکہ اس وقت فارس میں سخت سیاسی اضمحلال ہو چلا تھا اور روم میں سخت مذہبی تنازعات قائم تھے اور یہی ان دونوں عظیم قوتوں کے سقوط کا سبب بنے۔(۳۸)

۲۳- لودولف کراہم (۱۲۴۱-۱۳۱۹ھ/۱۸۲۵-۱۹۰۱ء) Ludolf Christoph Ehrenfried Krehl، **قومیت جرمنی**: جرمنی میں پیدائش ہوئی، تعلیم وتربیت کے بعد پیرس سے بھی مشرقی زبانوں کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، ۱۸۵۲ء میں جرمنی کے شہر ڈریڈسن کے شاہی کتب خانہ میں بطور سکریٹری عملی زندگی شروع کی، ۱۸۶۱ء میں پروفیسر کی حیثیت سے مشرقی زبانوں میں تعلیم بھی دی، ۱۸۷۴ء سے لے کر ۱۸۹۹ء تک مشرقی زبانوں کے ایک ماہر استاذ کی حیثیت سے مشغول و مشہور رہا۔

علمی یادگاریں: مقری کی کتاب نفح الطیب کی دو جلدوں کی اشاعت میں تعاون کیا، صحیح بخاری کی تین جلدوں کو بھی شائع کیا اور کتابیں درج ذیل ہیں: ۱- Over the religion of the before-Islamic Arabs. Leipzig 1863، ۲- Over the koranische science of the Prädestination. Leipzig 1870، ۳- Contributions for the characteristic of the theory of the faith in the Islam. Leipzig 1877، ۴- Over the legend of the burn of the Alexandrini library by the Arabs: Estratto dagli Atti del IV Congresso degli Orientalisti. Florenz 1880، ۵- Omar ben Suleimans Pleasing the spirit. Leipzig 1848, with German translation، ۶- The life and the theory of the Muhammed. Leipzig 1884۔

موخر الذکر کتاب پر مستشرق جوستاف بفانمولر کا تبصرہ ملاحظہ ہو، وہ لکھتا ہے "محمدؐ کی سیرت پر کوئل، کوسن ڈی برسیوال، میور، اسپرنگر اور نولدیکی کی طبع آزمائی کے بعد اس میدان میں ایک ٹھہراؤ سا

آ گیا تھا،لیکن انیسویں صدی کی آٹھ کی دہائی میں قلیل زمانی فرق کے ساتھ دو بڑی کتابوں کی تصنیف سے ایک نئی ہلچل مچی، اس میں سے ایک کا مصنف کراہل ہے جب کہ دوسری اگست مولر کی تصنیف ہے۔ کراہل نے سیرت محمدؐ میں سیاسی واقعات کے تناظر میں آپؐ کی دینی ترقیوں کا جائزہ لیا ہے اور کوشش کی ہے کہ حتی الامکان غیر جانبدار رہے، صحیح بخاری و مسلم شریف سے بھی اس نے استفادہ کیا اور اعتراف کیا کہ عربی تمدن کی بنیاد آپؐ کی تعلیمات پر پڑی، اس نے یہ بھی لکھا کہ ''محمدؐ کو جو کامیابیاں حاصل ہوئیں ایک براخودغرض اور کذب صفت انسان کبھی بھی وہ کامیابیاں حاصل نہیں کرسکتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر آپؐ کی دعوت اور اسلامی قوت کی بنیاد اعلیٰ افکار و تعلیمات پر نہ ہوتی تو آپؐ کے وصال کے فوراً بعد ہی یہ قوت بکھر چکی ہوتی، جو افکار و تعلیمات آج بھی کروڑوں انسانوں کو روحانی اور فکری بحث و تحقیق میں مصروف کیے ہوئے ہیں، نیز ان کے نتیجہ میں صدیوں پر محیط جو وسیع علمی ورثہ ظاہر ہوا وہ اس مذہب کے علمی و ثقافتی تمدن کی ترقی کا سب سے بڑا شاہد ہے''۔(۳۹) (باقی)

حوالہ جات

(۱) شبلی نعمانی: سیرت النبی، ج ۱، ص ۶۹-۷۰۔ (۲) تفصیل کے لیے دیکھیں پارٹ،: الدراسات العربیہ والاسلامیہ فی الجامعات الالمانیہ، ترجمہ مصطفیٰ ماہر، ط: قاہرہ، ص ۲۳/ جہاں تک حضورؐ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنے کا تعلق ہے تو اسپرنگر اس معاملہ میں اکیلا نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کے اس طرح کے دعووں کی وجہ یہی ہوا کرتی تھی کہ اس سے آپؐ کی نبوت پر حرف آئے گا جس کے نتیجے میں وحی کے نزول کی بات ہی نہ رہے گی۔ سب سے پہلے بیزنطی مصنفوں نے اس طرح کی باتیں لکھنا شروع کیں اور یہی وہ پہلے لوگ ہیں جنھوں نے یورپ میں مرگی کے افسانہ کو رواج دیا، دراصل یورپ نے پہلے پہل اسلام کے حوالے سے ساری معلومات انہیں بیزنطی مصنفوں کی کتابوں سے اخذ کیں اور عہد وسطی کی تاریخ میں حضورؐ کے حوالے سے جتنی بھی غلط باتیں اور افسانے پھیلے ان کی وجہ یہی لوگ تھے، جس کا اعتراف خود مستشرقین کرتے ہیں کہ اسلام کے تعلق سے بیزنطین ہمارے لیے غیر موثوق ماخذ رہا، تفصیل کے لیے دیکھیں: محمود حمدی زقزوق: سیرۃ الرسول فی تصورات الغربیین، ص ۹۰۔ (۳) محمود حمدی زقزوق: الاسلام فی الفکر الاستشراقی، ص ۱۲۰-۱۲۱۔ (۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: عقیقی: مستشرقون، ج ۲، ص ۳۰۸-۳۱۰۔ (۵) اکثر متعصب و غیر منصف مستشرقین نے اسلامی تاریخ میں دینی اختلافات کو ہوا دینے اور انہیں نت نئے رنگ میں پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے، ڈوزی کے بعد مستشرقین میں فرانسیسی یہودی مستشرق لویس ماسنگن (۱۳۰۰-۱۳۸۱ھ/ ۱۸۸۳-۱۹۶۲ء) Louis Massignon کا نام سرفہرست ہے، جس نے حلاج اور قرامطہ اور اسماعیلیہ فرقوں کے افکار و نظریات کو مزید رنگ آمیزی کے بعد شائع کیا ہے۔ (۶) محمود حمدی زقزوق: الاسلام فی الفکر الاستشراقی، ص ۱۱۵-۱۱۹۔ (۷) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں، عقیقی: مستشرقون، ج ۲، ص ۵۹۔ (۸) محمود حمدی زقزوق: الاسلام فی الفکر الاستشراقی، ص ۸۹۔ (۹) علامہ شبلی نے اس کی کتاب پر جہاں تنقیدیں کی ہیں وہیں کچھ حوالے بھی دیے ہیں، سیرت

النبی، ج ۱،ص ۸۶،حضورؐ کے نسب کے حوالے سے علامہ نے اس کے جھوٹے دعووں کا مسکت جواب دیا ہے، ج ۱،ص ۱۰۴ - ۱۰۵ /بحیرا کے قصہ کے باب میں اسلام پر عیسائی مذہب کے اثرات کے حوالے سے بھی علامہ نے اس کی خوشی چھین لی ہے، ج ۱،ص ۱۱۳-۱۱۴۔(۱۰) عقیقی: مستشرقون، ج ۱،ص ۱۸۳۔(۱۱) تفصیل کے دیکھیں: عقیقی: مستشرقون، ج ۱،ص ۳۷۹-۳۸۲ /علامہ شبلی نے اس کے بعض بیانات کو استدلال کے طور پر بیان کیا ہے، جیسے کہ جلد اول میں ایک جگہ قوم سبا کی تمدنی جلوت کے بارے میں اس کے ایک مضمون سے استدلال کیا ہے، دیکھیں ص ۷۸ /مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی اسلام سے پہلے عربوں کے یہاں خدا کے اعتقاد کے حوالے سے نولدیکی کی رائے پیش کی ہے، دیکھیں سیرت النبی، ج ۴،ص ۱۳۴ - ۱۳۵۔(۱۲) محمد حمدی زقزوق: سیرۃ الرسول فی تصورات الغربیین ،ص ۱۴۰-۱۴۲ /اس کی سوانح کے لیے دیکھیں صلاح الدین المنجد: المستشرقون الالمان، تراجمھم وما اسھموا بہ فی الدراسات العربیہ، ط: دار الکتب الجدید، بیروت، لبنان ۱۹۷۸ء، ج ۱،ص ۱۱۵-۱۲۴۔(۱۳) عقیقی: مستشرقون، ج ۱،ص ۱۶۹۔(۱۴) ولھوسن تاریخ الدولۃ العربیہ من ظھور الاسلام الی نھایۃ الدولۃ الامویۃ ، ترجمہ عبدالھادی ابوریدۃ، مراجعہ حسین مونسوط ۲: القاہرہ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر ۱۹۶۸ء /ایضاً صلاح الدین المنجد: المستشرقون الالمان، الجزء الاول، ط: بیروت، دار الکتاب الجدید ۱۹۷۸ء،ص ۱۰۷۔(۱۵) ولھوسن تاریخ الدولۃ العربیہ،ص ۱۹۔(۱۶) حوالہ سابق،ص ۱۵-۱۶۔(۱۷) حوالہ سابق،ص ۴ - ۵ /ولہاوزن نے کئی جگہوں پر یہ بھی اشارہ کیا ہے قرآن محمد کی تصنیف ہے، دیکھیں سابق حوالہ،ص ۲۔(۱۸) اس کتاب پر انگلستان کے ایک میگزین میں بہت تفصیلی ریویو شائع ہوا تھا، تفصیل کے لیے دیکھیں: The Lion, No.1 Vol.4. London, Friday, July 3, 1829. P.425-430۔(۱۹) سید سلیمان الندوی: الرسالۃ المحمدیہ ،ص ۱۰۴ /علامہ شبلی نے بھی سیرت النبی میں اس اقتباس کا حوالہ دیا ہے، دیکھیں ج ۱،ص ۱۴۲۔(۲۰) Arberry A.J. (1960) Oriental Eassays, London: George Allen & Unwin,Pp.87-88/Irwin,Robert (1994). The Arabian Nights: A Companion. London: Allen Lane. (۲۱) For more on his life read Reginal Bosworth Smith: A Memoir by his daughter, Ellinor Flora Bosworth Smith Gorgan, published in 1909. (۲۲) Mohammed and Mohammedanism, P.95-96 (۲۳) Ibid. PP.91-92 (۲۴) سیرت النبی، ج ۱،ص ۶۴ ۔(۲۵) الرسالۃ المحمدیہ ،ص ۸۴ - ۸۵ ۔(۲۶) See Hayavadana Rao: The Indian Biographical Dictionary (1915), (1915) P.Madras, India, P.467 (۲۷) Wollaston, Arthur N: Half-Hours with Muhammad (London: W.H. Allen & Com., 1886) P.1. (۲۸) Ibid, 32 (۲۹) See Major Arthur Glyn Leonard: Islam her Moral and Spiritual Value: A Rational and Psychological Study (London, Luzac & Co 1909), Forward; P.1-9 (۳۰) Ibid, P.152 (۳۱) Ibid, P.123 (۳۲) Ibid, P.142-143 (۳۳) For more details about him and his work see the story of the church mossionary society, Bde, London 1899 / the encyclopedia of missions, New York-London 1904, 376 (۳۴) Mohammedanism:Critically Considered, Rivingtons, London, England, 1889, P.86-87. (۳۵) Ibid, P.471 (۳۶) See Dr. J.A. Moehler: On the Relation of Islam to the Gospel: Translated by Rev J.P. Menge, Calcutta 1847, Preface P.1-30-32-35 ۔(۳۸) تفصیل کے لیے دیکھیں: عبدالرحمٰن بدوی: موسوعۃ المستشرقین، ط ۳: دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۹۳ء،ص ۴۹۳-۴۹۶۔(۳۹) محمود حمدی زقزوق: سیرۃ الرسول فی تصورات الغربیین ،ص ۱۴۲-۱۴۴۔

معاملات صدقات میں قواعد فقہیہ کی تطبیق

نسیم محمود

قواعد فقہیہ کا مضمون شریعت اسلامیہ کا ایک ایسا اہم مضمون ہے جس کے ذریعے شریعت کے معاملات کا ادراک بہت ہی آسان ہوجاتا ہے اور چند الفاظ کے ذریعے مشکل سے مشکل معاملات میں عرق ریزی کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ یہ بہت جلد سمجھ میں آجاتے ہیں۔ صدقات کے معاملات میں ان قواعد کے اطلاق اور ان سے متعلق امور پر بحث سے قبل ضروری ہے کہ قواعد فقہیہ کا مفہوم سمجھا جائے تاکہ ان کی تطبیق بآسانی سمجھ میں آسکے۔

قاعدہ کا لغوی مفہوم: قاعدہ کی جمع قواعد ہے اور قاعدہ کا لغوی معنی متعدد علماء نے اساس بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی نے بھی قاعدہ کو اسی معنی میں لیا ہے۔ (۱)

صاحب تاج العروس امام زجاج کے حوالے سے قواعد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وقال الزجاج القواعد اساطين البناء التی تعمده ۔(۲)	قواعد سے مراد عمارت کی وہ بنیادیں ہیں جن پر وہ قائم ہوتی ہے۔

امام شرف الدین نووی نے اس کے مفہوم کو بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ (۳)

ابن منظور افریقی کے ہاں بھی اس سے مراد اساس اور بنیاد ہے اور انہوں نے زجاج کا قول بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

وقواعد الهودج : خشبات اربع معترضة فی اسفله ترکب عیدان الهودج فیها ۔(۴)	ہودج کے قواعد سے مراد نیچے کو لٹکی وہ چار لکڑیاں ہیں جن میں ہودج کی باقی لکڑیاں پیوست ہوتی ہیں۔

لیکچرار اسلامیات، گورنمنٹ علامہ اقبال کالج، پیرس روڈ، سیالکوٹ۔

صاحب مصباح المنیر بھی قواعد کا معنی اساس بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(قواعد) البیت اساسه ۔(۵) گھر کے قواعد سے مراد اس کی بنیادیں ہیں۔

قاعدہ کا اصطلاحی مفہوم: قاعدہ کی اصطلاحی تعریف علماء نے مختلف الفاظ میں بیان کی ہے۔اس حوالے سے امام جرجانی کے الفاظ یہ ہیں:

فهی قضية كلية منطبقة علی جميع جزئياتها ۔(۶)

قاعدہ سے مراد ایسا کلی معاملہ ہے جس کا اپنی تمام جزئیات پر اطلاق ہوتا ہو۔

محمد اعلیٰ تھانوی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

كلی منطبق علی جميع جزئياته عند تعرف احكامها منه ...... وانه يظهر لمن تتبع موارد الاستعمالات ان القاعدة هی الكلية التی يسهل تعرف احوال الجزئيات منها۔(۷)

علماء کی اصطلاح میں لفظ قاعدہ کا اطلاق اصل، قانون، مسئلہ، ضابطہ اور مقصد جیسے مترادف معانی پر ہوتا ہے اور اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ یہ ایسا کلی معاملہ ہے جو اپنے احکامات کی معرفت کے اعتبار سے اپنی تمام جزئیات پر صادق آتا ہے اور جو اس کے استعمالات کے مواقع کی جستجو میں رہتا ہے اس پر یہ واضح ہوتا ہے کہ قاعدہ ایسا کلی معاملہ ہے کہ اس کے ذریعے اس کی جزئیات کے احوال کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔

قاعدہ کی عمومی اصطلاحی تعریف کے بعد ضروری ہے کہ فقہاء کے نزدیک قاعدہ کی اصطلاحی تعریف کی جائے کیونکہ اس مقالے کا موضوع فقہ کے متعلق ہے۔چنانچہ ذیل میں مختلف فقہاء کے ہاں قاعدہ کی اصطلاحی تعریفات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

۱-امام ابن نجیم کی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' کے شارح امام حموی قاعدہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان القاعدة هی عند الفقهاء غيرها عند النحاة والاصوليين اذ هی عند

فقہاء کے نزدیک قاعدہ کا معنی نحویوں اور اصولیوں کے معنی کے برعکس ہے، چنانچہ فقہاء

الفقهاء حکم اکثری لا کلی ینطبق علی اکثر جزئیاته لتعرف احکامها منه ۔(۸)

کے نزدیک قاعدہ ایسا کلی نہیں بلکہ حکم اکثری ہے جو اپنے احکام کی پہچان کے لیے اپنی اکثر جزئیات پر صادق آتا ہے۔

۲- امام تاج الدین سبکی قاعدہ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

هی الامر الکلی الذی ینطبق علیه جزئیات کثیرة تفهم احکامها منها ۔(۹)

یہ وہ کلی معاملہ ہے جس پر ایسی بہت سی جزئیات کا انحصار ہو جن کے ذریعے ان کے احکام سمجھے جا سکیں۔

۳- امام زرکشی قواعد فقہیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما قواعد الفقه هی عبارة عن المسائل التی تندرج تحتها احکام الفقه نفسها ۔(۱۰)

قواعد فقہیہ ان مسائل سے عبارت ہیں کہ خود احکام فقہیہ جن کے ذیل میں آتے ہیں۔

۴- امام مقری المالکی قاعدہ کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

و نعنی بالقاعدة کل کلی هو اخص من الاصول وسائر المعانی العقلیة العامة ، واعم من العقود و جملة الضوابط الفقهیة الخاصة ۔(۱۱)

اور قاعدہ سے ہماری مراد ہر وہ کلی ہے جو کہ اصول اور تمام عمومی عقلی معانی سے خاص ہو اور عقود اور تمام مخصوص فقہی ضوابط سے عام ہو۔

۵- قانون جدید میں قاعدہ کی مندرجہ ذیل الفاظ میں تعریف کی گئی ہے:

"A principle of law universally admitted as being a correct statement of the law, or as agreeable to reason."

''ایسا قانونی ضابطہ جسے بین الاقوامی طور پر ایک درست قانونی بیان تسلیم کیا گیا ہو اور وہ عین عقل کے مطابق ہو''۔

اس تعریف کی رو سے قاعدہ ویسے تو ایک محاورہ یا ضرب المثل ہے مگر اس کی اہمیت کو اگر دیکھا جائے تو یہ ایک مکمل قانونی ضابطہ کی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر عدالتوں میں

فیصلے کیے جاتے ہیں، جس سے اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا تعریفات قاعدے کی عام اصطلاح کو واضح کرتی ہیں اور یہ اصطلاح تمام علوم میں جاری ہوتی ہے۔ یقیناً ہر علم کے چند قواعد ہیں۔ جیسے نحویوں کا قول کہ فاعل مرفوع، مفعول منصوب اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے۔ اسی طرح اصولیین کا قول کہ امر وجوب کے لیے ہے اور نفی تحریم کے لیے سو یہ قاعدہ چاہے نحو کا ہو، اصول فقہ یا کسی اور علم کا ہو اپنے مفہوم کے اعتبار سے ایسا امر کلی ہے جو اپنی جزئیات کا اس طرح احاطہ کرتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جز باقی نہیں رہتی۔

قواعد کے مفہوم کی وضاحت کے بعد صدقات سے متعلق قواعد کی عملی صورت کا ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے:

صدقات سے متعلق قواعد فقہیہ: صدقات، صدقہ کی جمع ہے اور اس کا مطلب اللہ کی راہ میں غرباء و مساکین پر مال خرچ کرنا ہے۔ بنیادی طور پر صدقات کی دو قسمیں ہیں، ایک صدقات واجبہ اور دوسری صدقات نافلہ۔ آیندہ صفحات میں دونوں قسم کے صدقات پر مفصل گفتگو ہوگی اور فقہی قواعد کا ان میں کس طرح اطلاق ہوتا ہے اس پر غور ہوگا۔

قسم اول، صدقات واجبہ سے متعلق قواعد فقہیہ: صدقات واجبہ سے مراد وہ صدقات ہیں جن کی ادائیگی اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اہل ثروت پر لازم قرار دی گئی ہے۔ ان میں زکوٰۃ، عشر، فطرانہ اور خمس وغیرہ شامل ہیں۔ ان صدقات واجبہ سے متعلق قواعد فقہیہ اور ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

پہلا قاعدہ:

الامور بمقاصدھا۔(۱۳) امور اپنے مقاصد کے اعتبار سے دیکھے جائیں گے

صدقات واجبہ کی قبولیت اور ان پر اجر وثواب کا انحصار صدقہ ادا کرنے والے کی نیت پر منحصر ہے۔ اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآئُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔(۱۴) اللہ تعالیٰ تک نہ ان (قربانیوں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی ان کا خون بلکہ اللہ تعالیٰ تک صرف تمہاری طرف سے تقوی پہنچتا ہے۔

اور امام بخاری بھی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی روایت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

انك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه	بیشک تو اللہ کی رضا کے لیے جب بھی خرچ کرے
الله الا اجرت عليها حتى ما تجعل	اس پر تجھے اجر دیا جائے گا حتی کہ بیوی کے منہ
في في امراتك ۔(۱۵)	میں جو خوراک ڈالے گا (اس پر بھی اجر ملے گا)۔

تو صدقات واجبہ کی ادائیگی میں سب سے اہم چیز جو پیش نظر رکھنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا وہ یہ ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا فقراء کی دستگیری کے لیے ہے ورنہ جس طرح سخی کی سخاوت محض بد نیتی کی وجہ سے رد کر دی جاتی ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ، عشر اور فطرانہ وغیرہ کی قبولیت بھی نیت میں فتور کی وجہ سے مشکوک ہو جائے گی۔

صدقات وخیرات کا مقصد گردش دولت اور ضرورت مندوں کی حاجات کا ازالہ ہے جو کہ ان ضرورت مندوں کے ہاتھوں تک مال پہنچنے کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ، عشر اور فطرانہ کی ادائیگی نہ تو اپنے زیر کفالت افراد کو کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ان سے وصول کی جاسکتی ہے تاکہ دولت گھوم پھر کر گھر میں ہی نہ رہے بلکہ مستحقین تک پہنچ جائے اور اس کا مقصد پورا ہو جائے۔ اگر کسی نے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا مگر زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

دوسرا قاعدہ:

اليقين لا يزول بالشك ۔(۱۶)	یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

اگر کسی کو یہ شک ہو جائے کہ اس نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے یا فطرانہ وعشر ادا کر دیا ہے تو محض شک کی وجہ سے فطرانہ، زکوٰۃ اور عشر کی ادائیگی کا فریضہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کی ادائیگی اب بھی اس پر لازم ہوگی۔(۱۷)

اسی طرح مصارف زکوٰۃ وعشر کا مستحق ہونا لازمی امر ہے۔ واقعتاً مستحق افراد اور قرآن حکیم کے بیان کردہ مصارف کے مطابق ہی زکوٰۃ وعشر کی ادائیگی سے ہی انسان ان فرائض سے سبک دوش ہوگا۔

تیسرا قاعدہ:

التابع یسقط بسقوط المتبوع ۔(۱۸)	تابع متبوع کے ساقط ہونے کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے۔

احناف کے ہاں اس ضابطے کے مطابق متوفی کے ذمہ حقوق اللہ ساقط ہو جائیں گے۔ امام کاسانی کے مطابق متوفی کے ذمہ واجب الاداء زکوٰۃ، صدقۂ فطر، نذر، کفارات اور حج ساقط ہو جائے گا۔(۱۹) عبادات کے بارے میں امام کاسانی کے الفاظ یہ ہیں:

لا یلزم الوارث الحج عنه من ترکته لانه عبادة والعبادات تسقط بموت من علیه سواء کانت بدنیة او مالیة ۔(۲۰)	وارث پر متوفی کی طرف سے اس کے ترکہ سے حج لازم نہیں ہوتا کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت جس پر لازم ہو اس کی موت سے ساقط ہوجاتی ہے خواہ عبادت بدنی ہو یا مالی۔

مالکیہ کے ہاں بھی متوفی کے ذمے اسی سال کی زکوٰۃ اور صدقۂ فطر اس کے اصل مال سے ادا کیا جائے گا اور اس سے زیادہ اگر اس کے ذمے زکوٰۃ وغیرہ واجب الادا ہو تو وصیت کی شکل میں تو ادائیگی کی جائے گی وگرنہ ادائیگی لازم نہیں ہوگی۔(۲۱)

شوافع، حنابلہ اور ظاہریہ تینوں کے نزدیک حقوق اللہ کسی آدمی کی وفات کے باعث ساقط نہیں ہوتے بلکہ واجب الادا ہی رہتے ہیں۔(۲۲)

موجودہ مروجہ قوانین چونکہ زیادہ تر احناف کے نظریہ کے مطابق ہیں۔ اس لیے ان میں بھی احناف کی طرح متوفی سے حقوق اللہ، اس کی موت کے ساتھ ہی ساقط ہوجاتے ہیں لہٰذا موجودہ قوانین میں ان کی ادائیگی کے حوالے سے بالکل بات نہیں کی گئی۔

چوتھا قاعدہ:

اذا بطل الشئی بطل ما فی ضمنه ۔(۲۳)	جب ایک شئے ختم ہوجائے تو اس کے ضمن میں پائی جانے والی ذمہ داریاں بھی ختم ہوجاتی ہیں۔

اس قاعدہ سے یہ وضاحت ملتی ہے کہ کسی شئی کے خاتمہ سے اس سے متعلقہ حقوق و واجبات بھی ختم ہوجاتے ہیں، اس کی وضاحت مندرجہ ذیل ضابطے سے بھی ہوتی ہے۔

اذا سقط الاصل سقط الفرع ۔(۲۴)	جب اصل ساقط ہوجائے تو اس کی فرع بھی ساقط

ہوجاتی ہے۔

ذیل کی چند مثالیں اس قاعدہ کو واضح کریں گی:

۱- ایک شخص کے پاس نصاب زکوٰۃ کے مطابق مال موجود تھا مگر حولان حول (سال گذرنے) سے پہلے مال ضائع ہوگیا یا چوری ہوگیا اور مال نصاب کی حد سے کم ہوگیا تو چونکہ نصاب جوکہ فرضیت زکوٰۃ کے لیے اصل ہے وہ باقی نہیں رہا، لہٰذا اس کے ضمن پایا جانے والا فرضیت زکوٰۃ والا حکم بھی ساقط ہوجائے گا۔

۲- ایک شخص کی فصل کٹائی کے بالکل قریب تھی کہ کسی ناگہانی آفت سے وہ تباہ ہوگئی تو اس کی تباہی کے ساتھ ہی اس پر لازم عشر بھی ساقط ہوجائے گا کیونکہ اصل یعنی فصل قائم نہیں رہی لہٰذا فرع یعنی عشر بھی قائم نہیں رہے گا۔

۳- ایک شخص کے پاس نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ مال ہے اور سال بھی گذر چکا ہے، مگر اتنا ہی اس کے ذمہ قرض بھی ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ معاف ہوگی یا اس کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی؟ اگر قاعدہ کو دیکھا جائے تو اس میں دو نظریات سامنے آتے ہیں۔ ایک نظریہ تو یہ کہ چونکہ مال اس کے پاس موجود ہے جس کی وجہ سے زکوٰۃ لازم ہے جوکہ اللہ کا حق بھی ہے اور عبادت بھی ہے۔ لہٰذا جس کے پاس مال ہوگا چاہے وہ مقروض ہے یا نہیں اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔ اس حوالے سے ابن رشد واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ:

ومن قال هي عبادة قال : تجب	جن کا یہ موقف ہے کہ یہ عبادت ہے ان کا کہنا ہے کہ
على من بيده مال لان ذلك هو	جس کے پاس بھی مال ہوگا اس پر زکوٰۃ لازم ہے
شرط التكليف ۔(۲۵)	کیونکہ مال کی موجودگی مکلّف ہونے کی شرط ہے۔

مگر اس کے برعکس جن کا موقف ہے کہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے ان کا کہنا ہے کہ اس پر زکوٰۃ تو تب لازم ہوتی جب یہ صاحب مال ہوتا مگر اب چونکہ یہ صاحب مال ہی نہیں اور اس کے پاس موجود مال اس کا نہیں بلکہ دائن (قرض خواہ) کا ہے۔ لہٰذا اس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی کیونکہ مال اس کے قبضہ میں ہوتے ہوئے بھی چونکہ فرضیت زکوٰۃ کا اصل سبب ساقط ہو چکا ہے لہٰذا اس کی ضمنی اشیاء یعنی فرضیت زکوٰۃ کا اس شخص کے حوالے سے حکم بھی ساقط ہوجائے گا۔(۲۶)(ایضاً)

اسی بات کو قانون جدید کے قاعدہ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"A Personal right of action dies with the person." (۲۷)

(ایک آدمی کے شخصی حقوق اس کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں)۔

اس قاعدے میں صرف شخصی حقوق کی بات کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حقوق جو کہ حقوق العباد کے زمرے میں آتے ہیں وہ بالاتفاق اس کی موت سے ختم نہیں ہوتے جیسے قرض اور شخصی حقوق میں ان کے ذمے واجب الاداء حقوق اللہ جیسے زکوٰۃ وعشر کی ادائیگی، آدمی کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بات احناف کے موقف کے مطابق ہے جب کہ دیگر مکاتب فقہ ان حقوق کو واجب الاداء گردانتے ہیں۔

پانچواں قاعدہ:

اذا ضاق الامر اتسع ۔(۲۸) جب معاملہ تنگ ہو جائے تو اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

شارع کا مقصد مکلّف کو تکلیف مالا یطاق سے بچانا ہے۔ اس لیے ایسا حکم جو کہ انسان کی بساط سے باہر ہو وہ اس پر لازم نہیں ہوتا بلکہ تاوقت طاقت وہ اس سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار روزے اور اگر اس کی بھی ہمت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے توبہ واستغفار سب سے بڑا کفارہ ہوگا۔ صحیحین کی روایت کے مطابق ایک صحابی جنھوں نے جان بوجھ کر روزہ توڑا مگر مذکورہ بالا تینوں کفارات پورا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے تو آپؐ نے ان کو کھجوروں کا ٹوکرا عنایت فرماتے ہوئے فرمایا کہ اسے مساکین میں تقسیم کردو تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مدینہ میں مجھ سے بڑھ کر اور کون مسکین ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ آپ اور آپ کے گھر والے اس کو کھالو، اس سے تمہارا کفارہ بھی ادا ہو جائے گا۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جب کسی معاملہ میں تنگی ہو تو شریعت اس میں وسعت (Relaxation) پیدا کر دیتی ہے۔ اسی طرح ایک آدمی پر حج لازم ہوا۔ اس کے پاس بیت اللہ

تک جانے کا زادراہ اور صحت بھی تھی اور کوئی جانے کی راہ میں رکاوٹ بھی نہ تھی۔ اس نے حج کی ادائیگی میں چند سال تاخیر کی اور اس دوران اس کی صحت خراب ہوگئی تو شریعت نے ان حالات میں حج بدل کا حکم دیا تو یہ حکم صدقات واجبہ میں آئے گا۔ سو یہ بات ''اذا ضاق الامر اتسع'' کے تحت آئے گا۔

اگر ایک معاشرہ میں کچھ لوگ انتہائی آسائش کی زندگی بسر کر رہے ہوں جب کہ کچھ دوسرے لوگ انتہائی تنگدستی کی حالت میں ہوں کہ ان کی بنیادی ضروریات زندگی بھی پوری نہ ہو رہی ہوں تو ان کی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے اپنا ضرورت سے زائد مال خرچ کرنا پر آسائش زندگی بسر کرنے والوں پر لازم ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ۔ (۳۰)	وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ فرما دیجیے کہ جو کچھ ضرورت سے زائد ہو۔

اب ایسی صورت میں ان پر خرچ کرنا صدقہ نافلہ نہیں بلکہ صدقہ واجبہ ہو جائے گا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ جب ایک سفر جہاد میں بعض افراد کے پاس ایک سے زائد سواریاں تھیں اور بعض کے پاس کوئی سواری نہ تھی تو آپؐ نے فرمایا:

من کان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له قال فذكر اصناف المال ما ذكر حتى راينا انه لا حق لاحد منا فى فضل ۔(۳۱)	جس کے پاس زائد سواری ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد ساز و سامان ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سامان نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے مختلف اصناف کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ ہم سمجھے کہ ہم میں سے کسی کو بھی ضرورت سے زائد اشیاء اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق نہیں۔

اس حدیث کی تائید اس آیت قرآنی سے بھی ہوتی ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔(۳۲)

اور وہ کہ جن کے مالوں میں سوالیوں اور محروم لوگوں کا معلوم حق ہے۔

شریعت کے ان احکامات کے پیش نظر معلوم ہوا کہ جس معاشرے میں طبقاتی تقسیم اس حد تک ہو کہ بعض لوگ تعیّشات کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور بعض لوگ بنیادی ضروریات زندگی کے لیے ترس رہے ہوں وہاں لازمی انفاق کے تصور پر عمل کرتے ہوئے ضرورت سے زائد اشیاء ان غرباء و مساکین کو دینی ہوں گی جو کہ ان سے محروم ہیں تا کہ وہ بھی ان ضروریات کو پورا کر کے زندہ رہ سکیں۔

چھٹا قاعدہ:

ما حرم اخذه حرم اعطاؤه ۔(۳۳)

جس کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔

شریعت اسلامیہ میں حرام ذرائع سے دولت کا حصول حرام ہے۔ لہٰذا ایسی حاصل کردہ دولت سے اللہ کی راہ میں خرچ بھی درست نہیں ہوگا۔ زکوٰۃ، عشر، فطرانہ وغیرہ کی ادائیگی پاک مال سے کرنا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۔(۳۴)

اے ایمان والو! اپنی کمائی ہوئی دولت اور جو ہم نے تم کو زمین میں پیداوار دی ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ان میں سے ناپاک چیزیں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو کہ تم خود ان کو لینے والے نہیں مگر چشم پوشی کرتے ہوئے۔

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت ان انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو عمدہ کھجوروں کے گچھے مسجد نبویؐ کے ستونوں کے درمیان لٹکا دیتے تا کہ فقراء، مہاجرین ان میں سے کھالیں۔ ان میں سے ایک انصاری صحابی نے ان عمدہ کھجوروں میں ردی کھجوروں کا ایک گچھا اس ارادے سے رکھ دیا کہ ان بہت سی کھجوروں میں ایسا کرنا جائز ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے فرمایا:

لو اهدی لکم ما قبلتموه الا علی

اگر تمہیں ایسی ردی چیز بطور تحفہ دی جائے کہ تم اس

استحياء من صاحبه غيظا انه بعث	کو دینے والے سے صرف شرماتے ہوئے اور غصہ
اليكم مالم تكن لكم فيه حاجة	کھاتے ہوئے قبول کرو کہ اس نے تمہیں ایسی چیز
واعلموا ان اللّٰه غني عن	دی جس کی تمہیں حاجت نہ تھی اور تم جان لو کہ
صدقاتكم ۔(۳۵)	اللہ کو تمہارے صدقات کی کوئی ضرورت نہیں۔

قرآن پاک کی اس آیت کے مطابق دنیوی معاملات کے اعتبار سے اس مثال کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ کوئی آدمی کسی کے گھر مہمان جائے اور گلے سڑے پھل اہل خانہ کے حوالے کردے تو یقیناً وہ اس کو ناپسند بھی کریں گے اور اسے اپنی توہین بھی سمجھیں گے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی ذات جو کہ غنی ہے اس کی بارگاہ میں خرچ کرتے ہوئے کہیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی انتہائی پاکیزہ کمائی میں سے اس کی راہ میں خرچ کریں کہ حرام کی کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرمائے گا۔

جس طرح ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ناجائز ہے اسی طرح حرام اشیاء کو جائز طریقے سے حاصل کر کے بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا حرام ہوگا جیسے مردار، شراب، خنزیر وغیرہ کو باقاعدہ حلال ذرائع سے خرید کر اللہ کی راہ میں فقراء ومساکین کے لیے یا عوام الناس کے لیے وقف کردینا جائز نہیں ہوگا۔

ساتواں قاعدہ:

الفرض افضل من النفل ۔(۳۶) فرض نفل سے بہتر ہے۔

عبادات کی طرح انفاق فی سبیل اللہ میں بھی یہی ضابطہ ہے کہ فرض نفل سے بہتر اور افضل ہے۔ قاعدہ فقہیہ کے حوالے سے چند ایک مثالیں حسب ذیل ہیں:

۱- ایک آدمی نفلی صدقات تو کرے مگر زکوٰۃ، عشر، قربانی، فطرانہ، نذر کو ادا نہ کرے تو اس کا یہ عمل درست نہیں کہ نفلی صدقات نہ کرنے پر اس کی گرفت اور سزا نہیں تھی۔ مگر صدقات واجبہ چھوڑنے پر گرفت اور سزا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ سے قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہؐ میری ماں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو میں حج کروں گی ان کا کام ہوگیا مگر وہ حج ادا کرنے سے پہلے ہی فوت ہوگئیں تو کیا میں ان کی

طرف سے حج کرسکتی ہوں تو حضورؐ نے فرمایا:

حجی عنها أ رایت لو کان علی امك دین أ کنت قاضیة اقضوا اللّٰه فاللّٰه احق بالوفاء ۔(۳۷)	تو اس کی طرف سے حج ادا کر، اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہوتا تو کیا تو ادا کرتی ؟ سو اللہ کا حق ادا کر اس لیے کہ اللہ اپنے حق کی ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔

سو خرچ کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ پہلے صدقات واجبہ ادا کرے اور اس کے بعد صدقات نافلہ کرے۔

۲- والدین، اولاد، بیوی پر خرچ کرنا مکلّف پر لازم ہے گویا یہ خرچ صدقات واجبہ میں سے ہے۔ اگر کوئی آدمی ان پر تو خرچ نہ کرے اور ان کی بنیادی ضروریات پوری نہ کرے اور نفلی صدقات سے مساکین وغرباء کی کفالت کر رہا ہو تو ایسا عمل ناروا ہوگا۔ اس لیے کہ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ شادی کے بعد زیادہ تر وقت نوافل کی ادائیگی میں صرف کرتے، رسول اللہ نے ان کی اہلیہ سے معاملات کی کیفیت دریافت فرمائی تو انہوں نے اشارتاً معاملہ واضح کیا کہ شکر ہے اللہ کا پوری پوری رات نوافل پڑھتے رہتے ہیں تو حضورؐ نے ان کو بلایا اور فرمایا:

فلا تفعل صم و افطر و قم و نم فان لجسدك علیك حقا وان لعینك علیك حقا وان لزوجك علیك حقا ۔(۳۸)	ایسا نہ کر بلکہ روزہ بھی رکھ اور افطار بھی کر، قیام بھی کر اور سو بھی، تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔

تو ان الفاظ سے آپؐ نے حقوق زوجیت کی ادائیگی کا حکم فرماتے ہوئے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ فرائض کو نوافل پر ترجیح حاصل ہے، فرائض کی عدم ادائیگی کی صورت میں نوافل کی کثرت کوئی معنی نہیں رکھتی اور اگر فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کی کثرت ہو تو حدیث رسولؐ کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا یزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببته فکنت	بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب

سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها و رجله الذی یمشی بها وان سألنی لاعطینه ۔(۳۹)

میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور بالضرور عطا کر دیتا ہوں۔

مگر یہ کیفیت بندے کو اس وقت مل سکتی ہے جب وہ فرائض کو صحیح طرح پورا کرتا ہے۔

۳-اسی طرح ایک شخص کو کسی کا قرض دینا ہے اور وہ قرض خواہ فقیر بن چکا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اس کو صدقہ وخیرات دے بہتر ہے کہ وہ اس کو اس کا قرض لوٹا دے تا کہ وہ دوسروں کے مال پر گزر اوقات کرنے کی بجائے اپنے مال کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے ضمیر کی سرزنش سے بچتا رہے۔

آٹھواں قاعدہ:

الرخص لا تناط بالشك ۔(۴۰)

رخصت کا انحصار شک پر نہیں کیا جائے یا رخصتوں کو شک کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا۔

کئی معاملات میں شک کی وجہ سے معاملات کو شک کے مطابق طے کیا جاتا ہے مگر کچھ معاملات میں شک کا کوئی کردار نہیں ہوتا مثلاً ایک مشہور قاعدہ ہے کہ:

الیقین لا یزول بالشك ۔(۴۱) یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

اسی طرح رخصتوں کا معاملہ ہے شک کی بنیاد پر رخصت کا حصول ہر بار نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر اگر کسی کو زکوۃ ادا کرنا ہے اور وہ نصاب زکوۃ میں تردد کا شکار ہے کہ مال نصاب کی حد تک پہنچا ہے یا نہیں تو محض شک کی بناء پر اس کو ادائیگی زکوۃ سے چھوٹ نہیں ملے گی۔ ہاں اگر یقین ہو کہ اس کا مال زکوۃ کے نصاب کی حد تک نہیں پہنچا تب اس پر زکوۃ لازم نہیں ہوگی ورنہ ادائیگی لازم ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی کو فطرانہ یا عشر ادا کرنا ہو اور اس کو شک ہو کہ اس نے یہ ادا کر دیے ہیں تو محض شک کی بناء پر ادائیگی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی۔ (۴۲) (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، باب شروط اداء الزکوٰۃ، ۲۲۹-۲۲۸) یہی معاملہ نذر

کے کفارہ کی ادائیگی یا قربانی کرنے کے بارے میں ہے کہ یہاں شک کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوگی بلکہ ان حقوق کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو عنداللہ اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔

نواں قاعدہ:

الاقرب فالاقرب ۔(۴۳)	جو جتنا زیادہ قریبی ہے وہ اتنا زیادہ مستحق ہے۔

یہ قاعدہ فقہیہ اس بات کی راہنمائی کرتا ہے کہ صدقات وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ میں زیادہ توجہ اپنے قریبی رشتہ داروں کی طرف دی جائے کیونکہ اس طریقہ سے رشتہ داریوں کے جھنجھلوں میں پیدا ہونے والے اختلاف ختم ہوں گے اور محبت ومودت کی فضا پیدا ہوگی ۔ اس حوالے سے نبی کریمؐ کا فرمان ہے:

اذا انفق المسلم نفقة علی اهله وهو یحتسبها کانت له صد قة۔(۴۴)	جب کوئی مسلمان اپنے اہل وعیال پر ثواب اور ذمہ داری سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں صدقہ لکھا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث پاک میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ابدأ بمن تعول ۔(۴۵)

قرآن کریم کی متعدد آیات قریبی رشتہ داروں پر خرچ کی تلقین کرتی ہیں۔ چند ایک آیات مندرجہ ذیل ہیں:

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۔(۴۶)	اور (جس نے اللہ کی محبت میں اپنا) مال قریبی رشتہ داروں ، یتیموں ، مسکینوں ، مسافروں ، سوالیوں اور غلاموں کو دیا۔
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۔(۴۷)	اور قریبی رشتہ داروں ، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دے دو۔
یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ	یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں ، تو فرما دیجیے کہ تم بہتر مال میں سے جو بھی خرچ کرو وہ

وَالْيَـتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ـ(۴۸)	والدین، قریبی رشتہ دار، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور تم جو بھی نیک کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔
وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ـ(۴۹)	پس وراثت کی تقسیم کے وقت اگر قریبی رشتہ دار، یتیم اور مسکین بھی موجود ہوں تو اس میں سے ان کو بھی دے دو اور ان کو اچھی بات کہو۔
لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ ـ(۵۰)	نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ نیکی اس کی ہے جو اللہ، آخرت کے دن، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور نبیوں پر ایمان لے آیا اور جس نے اپنا مال اللہ کی محبت میں قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں اور غلاموں کو دے دیا۔
فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ـ(۵۱)	پس اپنا مال قریبی رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو دے دو، یہی ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ـ(۵۲)	اور قریبی رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو ان کا حق دے دو اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔

مذکورہ آیات میں مشترک امر یہ ہے کہ ان میں ذوی القربیٰ (رشتہ داروں) پر خرچ کرنے سے آغاز کیا گیا ہے۔ حدیث پاک میں مستحق رشتہ داروں پر خرچ کرنے پر دوہرے اجرو ثواب کا ذکر ہے، ایک حق قرابت کی ادائیگی اور دوسرا فقراء و مساکین کی امداد کرتے ہوئے صدقہ کا اجر ہے۔(۵۳)

ان آیات واحادیث کے مطابق فقہاء نے الاقرب فالاقرب کا ضابطہ وضع کیا۔اس کے مطابق زیادہ قرابت داری زیادہ استحقاق کا سبب ہے خواہ وراثت کا حصول ہو یا صرف مال کا معاملہ ہو۔اس فصل کے تحت صدقات واجبہ دیتے وقت بھی اس ضابطے کو پیش نظر رکھنا لازمی ہے کہ قرابت دار اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

والدین، اولاد اور میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ وعشر نہیں دے سکتے، ان کی باہمی قرابت داری اس طرح کی ہے کہ ان پر زکوٰۃ وعشر کے علاوہ خرچ کرنا لازم ہے۔اس کے علاوہ چچا، پھوپھی، ماموں، ممانی، خالہ، خالو وغیرہ اگر غریب ومسکین کے زمرے میں آتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ وعشر میں سے رقم خرچ کرنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔

دوسری قسم: صدقات نافلہ سے متعلق قواعد فقہیہ: جیسا کہ سابقہ اوراق میں ذکر ہوا کہ صدقات دو طرح کے ہیں، ایک واجبہ اور دوسرے نافلہ۔صدقات واجبہ کے حوالے سے بحث ہو چکی، اب آیندہ صفحات میں صدقات نافلہ سے متعلق قواعد فقہیہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

پہلا قاعدہ:

الامور بمقا صد ھا ۔(۵۴) امور اپنے مقاصد کے اعتبار سے دیکھے جائیں گے۔

صدقات نافلہ کا اہم مقصد غریب پروری ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

ان فی المال حقا سوی الزکوٰۃ۔(۵۵) بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔

اور وہ حق یقیناً صدقات نافلہ کی صورت میں ہے کہ معاشرے کے تمام ضرورت مند افراد کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے اکثر افراد کی ضروریات جب پوری نہ ہو رہی ہوں تو چند افراد کو تحسینیات میں جانے کی اجازت نہیں ہے اور اسی فلسفہ کے تحت سیدنا عمرؓ نے اپنے دور کے عمال کو نہ تو بلند مکان بنانے کی، نہ باریک کپڑے پہننے کی اور نہ ہی اپنے گھر کے دروازے پر دربان بٹھانے کی اجازت دی کہ اس کا مقصد لوگوں کی ضروریات سے صرف نظر کر کے تحسینیات میں مگن ہو جانا ہے اور اس امر کو امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے بدترین عمل قرار دیا۔(۵۶)

لہٰذا ضرورت کے دنوں میں کسی فرد کو ضرورت سے زائد مال اپنے پاس رکھنے کی قطعاً اجازت

نہیں ہے۔قرآن پاک کی آیت:

وَ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ	اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں،
قُلِ الْعَفْوَ ۔(۵۷)	فرما دیجیے جو کچھ ضرورت سے زیادہ ہو۔

میں بھی اسی فلسفہ کو واضح کیا گیا ہے کہ جب ضرورت سے زائد مال ہو تو مشکل کے دور میں اس کو ضرورت مندوں پر خرچ کرنا لازم ہے۔تو اس قاعدہ کے تحت جو بات واضح کی جارہی ہے وہ یہ ہے، معاملات میں نیت دکھلاوے کی نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور انسانی ہمدردی کی ہو۔اگر نیت اس کے برعکس ہے تو سارا کیا دھرا برباد ہو جائے گا، عنداللہ اس کا کوئی اجر نہیں ہوگا۔اور اگر نیت ہمدردی اور مشکل وقت میں اپنے بھائی کی مدد کرنے کی ہو تو پھر اس کا صلہ یہ ملتا ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

من كان فی حاجة اخيه كان الله	جس نے کسی مسلمان کی حاجت پوری کی اللہ تعالیٰ
فی حاجته ومن فرج عن مسلم	قیامت والے دن اس کی حاجت پوری کرے گا اور
كربة فرج الله عنه كربة من	جس نے کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کیا اللہ تعالیٰ
كربات يوم القيامة ۔(۵۸)	قیامت والے دن اس کی تکلیف کو دور فرمائے گا۔

تو اس قاعدہ کے تحت صدقات نافلہ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور انسانی ہمدردی ہونا چاہیے، اس کے علاوہ کوئی بھی مقصد اس عمل کو برباد کر دے گا اور بجائے ثواب کے الٹا عذاب اس شخص کا مقدر ہوگا۔

دوسرا قاعدہ:

ما حرم اخذه حرم اعطاؤه ۔(۵۹)	جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔

اس قاعدہ کے تحت یہ اصول وضع کیا جارہا ہے کہ صدقات نافلہ و واجبہ میں صرف اور صرف پاک اور حلال مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ناپاک اور حرام مال کے خرچ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۔(۶۰)

اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ کمائی وہی قبول ہے جو پاک ہو اور اس کمائی میں سے خرچ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہے بلکہ آیت قرآنی کے یہ الفاظ کہ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ (اس مال میں سے ناپاک کے خرچ کرنے کا تم ارادہ بھی نہ کرو) واضح کررہے ہیں کہ چوری، ڈاکہ، فراڈ اور قحبہ گری وغیرہ کی کمائی میں سے انفاق فی سبیل اللہ قبول نہیں ہے کیونکہ جب کوئی شخص خود اپنے لیے ایسا پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے۔

تو جس طرح حرام اشیاء کا فی سبیل اللہ خرچ کرنا صدقات واجبہ میں ممنوع ہے۔اسی طرح صدقات نافلہ میں بھی ممنوع وحرام ہے۔تو یہ سوچ کہ چلو کمائی حرام کی ہی سہی اس کو غریبوں پر اللہ کی راہ میں خرچ کردیں، عبث ہے کیونکہ یہ واضح طور پر حدیث ہے کہ:

لا يؤمن احدكم حتى يحب لاخيه ما يحب لنفسه ۔(۶۱)	تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

لہٰذا ناپاک مال جب وہ خود ہی پسند نہیں کرتا تو اوروں کے لیے کیوں پسند کرے گا اور اگر اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر بھی دے گا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔جس طرح ایسے مال سے زکوٰۃ، فطرانہ اور عشر وغیرہ ادا نہیں کیا جاسکتا اس طرح اس سے نفلی صدقہ وخیرات بھی نہیں کیا جائے گا اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوگا۔

تیسرا قاعدہ:

ما حرم فعله حرم طلبه ۔(۶۲)	جس کام کا کرنا حرام ہے اس کی خواہش کرنا بھی حرام ہے۔

اس قاعدہ میں یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ جس کام کے کرنے یا جس چیز کو استعمال کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے اس کی خواہش کرنا بھی منع ہے۔تو حرام مال کا استعمال اگر شریعت نے منع کیا ہے تو اس حرام مال کی خواہش کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ جس طرح اس حرام کو حاصل کرنے والا گنہگار ہے۔اسی طرح اس کی خواہش کرنے والا بھی گنہگار ہے۔تو چوری، ڈاکہ،

زنا، جوا یا فراڈ کی رقم سے صدقہ وخیرات حاصل کر کے گذر اوقات کرنے کی خواہش کرنا بھی شریعت میں ممنوع وحرام ہے۔ بلکہ اگر کوئی کسی سے صدقہ وخیرات کی توقع رکھتا ہے تو اسے اس شخص کے پاس جانا چاہیے جس کی کمائی حلال کی ہو کیونکہ حرام کا استعمال عبادت کے اثر کو زائل اور دعاؤں کی قبولیت میں رکاوٹ بنتا ہے اور حدیث سے بھی واضح ہے کہ جس کے پیٹ میں حرام گیا اس کی چالیس دن کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔ شراب کے حوالے سے تو واضح حکم موجود ہے کہ:

من شرب الخمر لم يقبل الله له صلوة اربعين صباحا ۔(۶۳)	جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا۔

اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس خوراک کا اثر اس کے خون میں رہتا ہے اور جب تک اس حرام کا اثر اس کے جسم میں موجود ہے تب تک اس کی عبادت کوئی معنی نہیں رکھتی بلکہ اس حرام کی نحوست سے اللہ تعالیٰ اس سے اس طرح ناراض ہوتا ہے کہ اس کی عبادت کے باوجود اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا۔ اس کی دلیل اس فرمان رسولؐ سے ملتی ہے کہ:

من اشترى ثوبا بعشرة دراهم وفيه درهم حرام لم يقبل الله له صلوة ما دام عليه ۔(۶۴)	جس نے دس درہم کا کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں فرمائے گا

گویا کہ حرام کو استعمال میں بھی رکھنا اور عبادت بھی کرتے رہنا عبادت نہیں بلکہ شریعت کے احکام کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ لہٰذا یہ قاعدہ واضح کر رہا ہے کہ جس چیز کا استعمال کرنا حرام ہے اس کی خواہش رکھنا بھی حرام ہے۔

چوتھا قاعدہ:

الفرض افضل من النفل ۔(۶۵)	فرض نفل سے افضل ہے۔

اس قاعدہ فقہیہ میں نفل پر فرض کی فوقیت کو بیان کیا گیا ہے اور اس رجحان کی نفی کی گئی ہے کہ فرائض (زکوٰۃ، عشر، قربانی، فطر) ادا نہ کیے جائیں اور عام صدقات ٹوکری میں تقسیم کیے جا رہے ہوں۔ ایسے طرز عمل سے جہاں ریاکاری ظاہر ہوتی ہے وہیں خواہشات نفس کی پیروی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ اس بات کا مدعا ومقصود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر صدقات دینے میں طرز

عمل اپناتا تو یقیناً جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے فرض یا واجب قرار دیا ہے۔اس کو پہلی فرصت میں ادا کرتا اور جس کو نفل قرار دیا گیا اس کو فرائض کی ادائیگی کے بعد ادا کرتا مگر وہ شخص اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہوئے یہ عمل کر رہا ہے۔لہٰذا نفل کو فرض پر فوقیت دینے کی بات اپنے نفس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہے۔اس طرز عمل کو شرک قرار دیا گیا ہے۔قرآن حکیم میں ہے:

اَرَءَ يْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ ۔(٦٦) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے خواہشات کو اپنا معبود بنالیا۔

ایسے ہی بہت سے لوگ حج فرض ہونے کے باوجود عمرے کی ادائیگی کرتے جاتے ہیں اور حج کو لگا تار موخر کرتے رہتے ہیں۔اپنا مال عمرے کرنے پر خرچ کرتے رہتے ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اتنا مال نہیں ہوتا کہ حج ادا کر سکیں یا مالی استطاعت تو ہوتی ہے مگر صحت اجازت نہیں دیتی کہ حج کا فریضہ انجام دے سکیں۔اب فرض کی عدم ادائیگی سے بہتر تھا کہ نفل کو موخر کر کے استطاعت کی صورت میں ادائیگی میں فرض کو اولیت دی جاتی۔اس لیے کہ فرائض کو اولیت دینا ضروری ہے تاکہ احکام کی ترتیب پر عمل درآمد میں توازن واعتدال پیدا ہو سکے۔

پانچواں قاعدہ:

الاقرب فالاقرب ۔(٦٧) جو جتنا زیادہ قریبی ہے وہ اتنا ہی زیادہ حق دار ہے۔

اس قاعدہ میں واضح کیا جارہا ہے کہ نفلی صدقات میں قرابت داری کو مدنظر رکھا جائے اور جو جتنا زیادہ قریبی ہے اس کو اتنی زیادہ فوقیت دی جائے گی۔اس طرح صلہ رحمی بھی ہوگی اور رشتہ داروں میں تعلقات بھی مضبوط ہوں گے۔ایک مالدار رشتہ دار اگر اپنے غریب رشتہ دار کی مالی معاونت کرے گا تو اس غریب کے دل میں اگر اس کے متعلق کوئی کدورت ہوگی تو وہ محبت میں بدل جائے گی۔اس حوالے سے متعدد آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں واضح کیا گیا ہے قرابت داری کا حق سب سے زیادہ ہے، چنانچہ یہ قرابت مکانی ورحمی دونوں اعتبار سے ہے۔ضرورت سے زائد مال تو انسان کو خرچ کرنا ہی ہے۔اگر سنبھال کے رکھے گا تو یہ اکتناز واحتکار میں آئے گا جو کہ شریعت میں ممنوع ہے مگر قرابت داروں پر خرچ کرنا بہت سے اختلافات اور دشمنیوں کے خاتمے کا سبب بنے گا۔
زکوۃ، صدقہ، فطرانہ اور عشر وغیرہ کو انسان اپنے والدین، اولاد، بیوی وغیرہ پر خرچ نہیں

کر سکتا مگر نفلی انفاق تو ان پر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ:

نفقة الرجل علی اهله يحتسبها صدقة ۔(۶۸) آدمی کا اپنے گھر والوں پر (حلال وحرام کے) احتساب کے ساتھ خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔

صدقات واجبہ کے ذیل میں جن متعدد آیات قرآنیہ کا ذکر ہوا ان میں اکثر صدقات نافلہ پر بھی دلالت کرتی ہیں جو کہ یقیناً عمل مستحسن ہے۔

چھٹا قاعدہ:

لا يتم التبرع الا بالقبض ۔(۶۹) کوئی تبرع بغیر قبضہ کے مکمل نہیں ہوتا۔

تبرع سے مراد کسی کو بغیر معاوضہ کے اپنی چیز کا مالک بنا دینا ہے۔ اس قاعدہ میں واضح کیا جا رہا ہے کہ کوئی بغیر معاوضہ کے کسی دی جانے والی چیز (صدقہ، ہبہ وغیرہ) میں معاملہ محض زبانی کلامی کہہ دینے یا لکھ دینے سے مکمل نہیں ہوتا بلکہ اس میں قبضہ کی سپردگی بھی ضروری ہے۔ سپردگی کے بغیر نفلی انفاق نامکمل ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو محض یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ چیز میں تمہیں ہبہ کرتا ہوں یا تم پر صدقہ کرتا ہوں تو صرف کہہ دینے سے معاملہ مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس کو اس شخص کے حوالے نہیں کرتا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے متعلق روایت ہے:

انهم قالوا ألا تجوز صدقة حتی تقبض ۔(۷۰) بلا شبہ وہ قبضہ کے بغیر صدقہ جائز قرار نہیں دیتے تھے۔

اسی طرح حضرت سعید بن مسیّبؒ حضرت عثمانؓ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

فرأی ان الوالد يحوز لولده اذا كانوا صغارا ۔(۷۱) ان کی رائے کے مطابق اولاد جب چھوٹی ہو تو والدان کے لیے قبضہ لے گا۔

تو بغیر حوالگی کے کسی بھی قسم کا صدقہ باطل تصور کیا جائے گا اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور اگر اس طرح کی باتیں کسی فقیر کو تنگ کرنے کی غرض سے ہوں اور نیت اس شئی کی حوالگی کی نہ ہو تو یہ امر شنیع اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے ناراضگی اور آخرت کے عذاب کا باعث بنے گا۔

ساتواں قاعدہ:

العادة محكمة ۔(۷۲) عادت فیصلے کی بنیاد بنتی ہے۔

اس قاعدہ کے ذریعے بتایا جارہا ہے کہ عرف ورواج کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ یقیناً احکام شرع میں عرف ورواج کو اہمیت حاصل ہے مگر عرف ورواج وہ معتبر ہوگا جو شریعت کے تابع ہے اگر خلاف شریعت کوئی کام رواج پاچکا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

اس قاعدہ کے نفلی صدقات میں رواج اور عادت کے معتبر ہونے کا حکم واضح کیا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر ایک علاقے میں کوئی خیراتی ادارہ قائم اور اس میں علاقے کے لوگوں کی تعلیم وتربیت کا بندوبست کیا گیا ہو تو اس میں غرباء کے ساتھ ساتھ امراء بھی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، اسی طرح کسی علاقے میں کسی نے صدقہ نافلہ کے ذریعے ادارہ (عام لوگوں کے استعمال کی جگہ) بنادیا، لوگوں کے لیے پانی کی فلٹریشن کا بندوبست کردیا یا ہسپتال بنادیا تو ان تمام امور سے اس علاقے کے رواج کے مطابق نتیجہ اخذ کیا جائے گا۔ اگر یہ تمام کام عوام الناس کے لیے ہیں تو قطع نظر امیر وغریب، کے تمام اہل علاقہ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اگر یہ تمام صرف غرباء کے لیے خاص ہوں تو امراء اور صاحب حیثیت افراد کا ان چیزوں سے استفادہ کرنا شرعاً ممنوع ہوگا کیونکہ العادة محكمة کے ساتھ ساتھ الامور بمقاصدها کا اعتبار بھی ضروری ہے، لہٰذا وقف یا صدقہ کا جو مقصد ہے اس کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

آٹھواں قاعدہ:

الباطل لا يقبل الاجازة ۔(۷۳)　　کسی باطل امر کی اجازت، اجازت نہیں ہوتی۔

باطل چیز یا باطل معاملہ کو کسی صورت نافذ نہیں کیا جائے گا۔ اس قاعدہ میں دو طرح کی اہلیتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ایک تو نفس شئی کی اہلیت اور دوسری اجازت دینے والے کی اہلیت اگر یہ دونوں اہلیتیں موجود ہیں تو اس شئی کا استعمال اور تصرف جائز ہوگا ورنہ ممنوع ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک شخص گندم کے ڈھیر کے قریب سے گزرنے والے شخص کو کہتا ہے کہ یہ گندم اٹھا کر گھر لے جاؤ، چاہو تو اسے خود استعمال کرو چاہو تو فروخت کردو مگر ایسا کہنے والا گندم کے اس ڈھیر کا مالک نہیں ہے تو اس کی اس بات کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے کیونکہ صدقہ نافلہ اسی کا قبول ہوتا ہے جو اپنی ملکیت میں سے صدقہ کررہا ہے۔ اب اگر اس کی بات پر عمل کرتے ہوئے وہ شخص گندم اٹھا کر گھر لے جاتا ہے اور اس کو استعمال کر لیتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی ایک یہ کہ اس کو پتہ تھا

کہ کہنے والا اس کا مالک نہیں ہے، ایسی صورت میں اس کا تاوان اس گھر لے جانے والے پر لازم ہوگا، دوسری صورت یہ کہ اس کو نہیں پتہ تھا کہ یہ گندم کسی اور کی ملکیت میں ہے بلکہ کہنے والے کی ملکیت سمجھتے ہوئے اس نے اس کو استعمال کرلیا۔ اب ایسی صورت میں اس کا تاوان صدقہ کرنے والے فضولی پر لازم ہوگا اور گندم کو استعمال کرنے والا اس کے تاوان کی ذمہ داری سے بری ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے زیر قبضہ خنزیر، شراب یا اور کوئی حرام شئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی غریب شخص کو کہتا ہے کہ یہ مال میں تمہیں صدقہ کرتا ہوں تو اس صدقہ اور اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں نفس شئی ہی حرام ہے تو سابقہ قاعدہ ما حرم اخذہ حرم اعطاؤہ اور ما حرم فعله حرم طلبه کے تحت اس مال کا صدقہ کرنا اور اس کو قبول کرنا دونوں امر باطل ہوں گے۔ اس لیے کہ کسی امر باطل کی اجازت، اجازت نہیں ہوتی، حرام مال امر باطل ہے اور غیر کی ملکیت میں تصرف بھی امر باطل ہے، لہٰذا دونوں میں اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور نہ ہی ان پر کوئی اثر مرتب کیا جائے گا۔

اس مضمون میں دو امور، صدقات واجبہ اور صدقات نافلہ کے بارے میں قواعد فقہیہ پر بحث کی گئی۔ ان قواعد فقہیہ کے ضمن میں صدقات واجبہ کی قبولیت میں مقصد کی اہمیت، ان کی ادائیگی اور مستحق افراد تک رسائی کا یقینی ہونے، متوفی سے صدقات واجبہ کا سقوط، مال یا پیداوار کے ضیاع سے زکوٰۃ وعشر کا سقوط، صدقات واجبہ کی ادائیگی میں تنگی ہونے کی صورت میں سہولت، رزق حلال سے صدقات واجبہ کرنے کا حکم، صدقات واجبہ کو صدقات نافلہ پر فوقیت، صدقات واجبہ کی ادائیگی کے باب میں شک کی بناء پر رخصت کا طلب نہ کرنا، خاص قرابت داروں کا استحقاق جیسے مسائل کا ذکر ہوا۔

اس مضمون کے دوسرے حصے میں قواعد فقہیہ کو بیان کرتے ہوئے صدقات نافلہ کے بارے میں بعض اہم مسائل کا ذکر ہوا ہے جیسے صدقات نافلہ کی قبولیت کے لیے رضائے الٰہی کے مقصد کے حصول کی شرائط، حلال اور پاکیزہ کمائی سے صدقات نافلہ کی قبولیت، حرام ذرائع کی رقم سے صدقات نافلہ کی طلب کی ممانعت، فرض ترک کرتے ہوئے نفلی صدقات کرنا محض خواہشات نفس کی تکمیل کا سبب ہونا، صدقات نافلہ میں قرابت داری کو بھی پیش نظر رکھنا، صدقہ و ہبہ کی تکمیل کے لیے قبضہ کا ضروری ہونا، صدقات نافلہ کے مصارف میں عادت وعرف کی رعایت، کسی کی

ملکیت سے صدقات دینے کی ممانعت جیسے اہم نکات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا مشاہدہ کیا گیا کہ ان قواعد پر عمل کر کے ہم صدقات واجبہ ونافلہ کے بارے میں شریعت کے احکام کی اتباع کرتے ہوئے ان کے فیوض وبرکات سے کما حقہ استفادہ کر سکتے ہیں۔

مصادر ومراجع

(۱) راغب اصفہانی، ابوالقاسم، حسین بن محمد (۵۰۲ھ)، المفردات فی غریب القرآن، مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر، ۱۳۸۱ھ۔۱۹۶۱ء: ۴۰۹۔ (۲) الزبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس، باب الدال، فصل القاف، تحقیق علی شیری، دار الفکر، ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۴ء، ۲۰۱/۵۔ (۳) نووی، محی الدین یحی بن شرف (۶۷۶ھ)، تہذیب الاسماء واللغات، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۹۸/۲۔ (۴) ابن منظور (۷۱۱ھ)، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، طبع اولی، ۱۹۸۸ء، ۲۳۹/۱۔ (۵) فیومی، احمد بن محمد بن علی المقری (۷۷۰ھ)، المصباح المنیر، دار الفکر، ۵۱۰/۲۔ (۶) شریف جرجانی، علی بن محمد بن سید الزین ابوالحسن الحسینی (۸۱۶ھ)، التعریفات، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۳۷۔ (۷) تھانوی، محمد اعلی بن علی، کشاف اصطلاحات الفنون، شیا تک موسیقی، کلکتہ، ۱۸۶۲ء، ۱۱۷۶/۲۔ (۸) حموی، احمد بن محمد، غمزۃ عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر، الفن الاول القول فی القواعد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اولی، ۱۴۰۵ھ-۱۹۸۵ء، ۵۱/۱۔ (۹) سبکی، تاج الدین عبدالوہاب بن عبدالکافی (۷۷۱ھ)، الاشباہ والنظائر، تحقیق شیخ عادل احمد عبدالوجود وشیخ علی محمد معوض، طبع ۲۰۰۱ء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۱/۱۔ (۱۰) زرکشی (۷۹۴ھ)، المنثور فی القواعد، تحقیق الدکتور تیسیر فائق احمد محمود، طبع ثانی، ۱۴۰۵ھ-۱۹۸۵ء، شرکہ دار الکویت للصحافۃ، ۳۳/۱۔ (۱۱) مقری، محمد بن محمد بن احمد (۷۵۸ھ) القواعد، تحقیق احمد بن عبداللہ بن حمید، مرکز احیاء التراث الاسلامی، مکہ مکرمہ، ۱۵۰/۱۔ (۱۲) Black's Law Dictionary, The Publishers Editorial Staff, Sixth Edition,1990, p:979۔ (۱۳) سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، (۹۱۱ھ)، الاشباہ والنظائر، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر، الطبعۃ الاخیرۃ، ۱۳۷۸ھ-۱۹۰۹ء، ۸۔ ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم (۹۷۰ھ)، الاشباہ والنظائر، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی: ۱۲۔ (۱۴) القرآن الکریم: الحج ۲۲: ۳۷۔ (۱۵) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۴ھ-۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ ......الخ، قدیمی کتب خانہ کراچی، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۸۱/-۱۹۶۱ء، ۱۳/۱۔ (۱۶) ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۷۔ (۱۷) ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، باب شروط اداء الزکاۃ، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۲۲۹/۲ - ۲۲۸۔ (۱۸) سیوطی،

الاشباہ والنظائر: ۱۸۸، زرکشی ، المنثور فی القواعد، ۱/۹۲۔ (۱۹) کاسانی ، بدائع الصنائع ، کتاب الحج ، فصل بیان حکم فوات الحج عن العمرۃ ، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ ، ۲/۱۶۸، ۴۶۹، ۴۶۹۔ (۲۰) ایضاً ، ۲/۴۶۹۔ (۲۱) سحنون ، عبدالسلام بن حبیب تنوخی (۲۴۰ھ) ، المدونۃ الکبری ، دارالفکر ، بیروت لبنان ، ۱۴۱۹/۱۹۹۸ء ، ۱/۳۲۷۔ (۲۲) نووی ، ابوزکریا ، یحی بن شرف بن مری (۶۳۱ھ-۶۷۶ھ) ، روضۃ الطالبین ، دارالکتب العلمیۃ ، بیروت ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء ، ۱۲۶/۵؛ ابن قدامہ ، عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ (۶۲۰ھ) ، المغنی ، دارالکتب العلمیۃ ، بیروت ، لبنان ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء ، ۳/۵۹؛ ابن حزم ، ابومحمد علی بن احمد بن سعید (۴۵۶ھ) ، المحلی ، داراحیاء التراث العربی ، بیروت ، لبنان ، ۶/۵۶۔ (۲۳) ابن نجیم ، الاشباہ والنظائر: ۶۱۔ (۲۴) الموسوعۃ الفقہیہ ، تعریف الاصل ، ۵/۳۷؛ دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام ، مادہ: ۵۰ ، ج ۱۔ (۲۵) ابن رشد حفید ، محمد بن احمد (۵۹۵ھ) ، بدایۃ المجتہد ، کتاب الزکاۃ ، فاران اکیڈمی ، لاہور ، ۱/۲۲۳۔ (۲۶) ایضاً۔ (۲۷) Broom, Legal maxims, p.606۔ (۲۸) زرکشی ، المنثور فی القواعد ، ۱/۱۲۰-۱۲۱۔ (۲۹) بخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب النفقات ، باب نفقۃ المعسر علی اہلہ ، ۲/۸۰۸؛ مسلم ، ابن حجاج قشیری (۲۶۱ھ) ، الجامع الصحیح ، کتاب الصیام ، باب تغلیظ تحریم الجماع فی نہار رمضان الصائم......الخ ، قدیمی کتب خانہ کراچی ، طبع دوم ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء ، ۱/۳۵۴۔ (۳۰) القرآن الکریم ، البقرہ ۲: ۲۱۹۔ (۳۱) مسلم ، الصحیح ، کتاب اللقطۃ ، باب استحباب المواساۃ بفضول المال ، ۲/۸۱؛ ابوداؤد ، سلیمان بن اشعث (۲۷۵ھ) ، السنن ، کتاب الزکاۃ ، باب فی حقوق المال ، مکتبہ رحمانیہ ، لاہور ، ۲/۱۲۵۔ (۳۲) القرآن الکریم ، المعارج ۷۰: ۲۴-۲۵۔ (۳۳) سیوطی ، الاشباہ والنظائر: ۱۵۰۔ (۳۴) القرآن الکریم ، البقرہ ۲: ۲۶۷۔ (۳۵) ابن ماجہ ، محمد بن یزید (۲۷۳ھ) ، السنن ، ابواب الزکاۃ ، باب النہی ان یخرج فی الصدقۃ شر مالہ ، مکتبہ رحمانیہ ، لاہور: ۱۳۱۔ (۳۶) سیوطی ، الاشباہ والنظائر: ۱۴۵۔ (۳۷) بخاری ، الجامع الصحیح ، ابواب العمرۃ ، باب الحج والنذر عن المیت ، ۱/۲۵۰۔ (۳۸) ایضاً ، کتاب النکاح ، باب لزوجک علیک حقا ، ۲/۷۸۳؛ نسائی ، ابوعبدالرحمٰن احمد بن علی (۳۰۳ھ) ، السنن ، کتاب الصیام ، باب صوم یوم وافطار یوم ، مکتبہ رحمانیہ ، لاہور ، ۱/۳۲۵۔ (۳۹) بخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب الرقاق ، باب التواضع ، ۲/۹۶۳۔ (۴۰) سیوطی ، الاشباہ والنظائر: ۱۳۸۔ (۴۱) ابن نجیم ، الاشباہ والنظائر: ۷۔ (۴۲) ابن نجیم ، البحر الرائق ، کتاب الزکاۃ ، باب شروط اداء الزکاۃ ، ۲/۲۲۸-۲۲۹۔ (۴۳) الموسوعۃ الفقہیۃ ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ بالکویت ، طبع ثانیہ ، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء ، ۳/۶۰۔ (۴۴) بخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب النفقات ، باب فضل النفقۃ علی الاہل ، ۲/۸۰۵؛ مسلم ، الجامع الصحیح ، کتاب الزکاۃ ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین والزوج والاولاد والوالدین ولوکانوا مشرکین ، ۱/۳۲۴۔ (۴۵) بخاری ، الجامع الصحیح ، کتاب النفقات ، باب وجوب النفقۃ علی الاہل والعیال ، ۲/۸۰۶۔

(۴۶) القرآن الکریم، البقرۃ ۲:۱۷۷۔ (۴۷) القرآن الکریم، بنی اسرائیل ۱۷:۲۶۔ (۴۸) القرآن الکریم، البقرۃ ۲:۲۱۵۔ (۴۹) القرآن الکریم، النساء ۴:۸۔ (۵۰) القرآن الکریم، البقرۃ ۲:۱۷۷۔ (۵۱) القرآن الکریم، الروم ۳۰:۳۸۔ (۵۲) القرآن الکریم، بنی اسرائیل ۱۷:۲۶۔ (۵۳) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الاقارب، ۱/۱۹۷؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین والزوج والاولاد والوالدین ولو کانوا مشرکین، ۱/۳۲۴؛ نسائی، السنن، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ علی الاقارب، ۱/۳۶۱؛ ابن ماجہ، السنن، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ علی ذی قرابۃ، ۱۳۱؛ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (۲۷۹ھ)، الجامع، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی قرابۃ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱/۲۶۰۔ (۵۴) سیوطی، الاشباہ والنظائر: ۸۔ (۴۱) ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۱۲۔ (۵۵) ترمذی، الجامع، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء ان فی المال حقا سوی الزکاۃ، ۱/۲۶۰۔ (۵۶) بخاری، الادب المفرد، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، لبنان، ۱۶۱۔ (۵۷) القرآن الکریم، البقرۃ ۲:۲۱۹۔ (۵۸) بخاری، الجامع الصحیح، ابوالمظالم والقصاص، باب لایظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ، ۱/۳۳۰؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظلم، ۲/۳۲۰۔ (۵۹) سیوطی، الاشباہ والنظائر: ۱۵۰۔ (۶۰) القرآن الکریم، البقرہ ۲:۲۶۷۔ (۶۱) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ مایحب لنفسہ، ۱/۶؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخیہ مایحب لنفسہ من الخیر، ۱/۵۰۔ (۶۲) سیوطی، الاشباہ والنظائر: ۱۵۱؛ ابن نجیم، الاشباہ والنظائر: ۹۷۔ (۶۳) ترمذی، الجامع، ابواب الاشربۃ، باب فی شارب الخمر، ۲/۴۵۰۔ (۶۴) احمد بن حنبل (۱۶۴/۔ ۲۴۱ھ) مسند الامام احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابۃ، حدیث نمبر: ۵۷۳۲، تحقیق شعیب الارنؤوط، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء، ۱۰/۲۴۔ (۶۵) سیوطی، الاشباہ والنظائر: ۱۴۵۔ (۶۶) الفرقان، ۲۵:۴۳۔ (۶۷) القرآن الکریم، الموسوعۃ الفقہیۃ، ۳/۶۰۔ (۶۸) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ، ۱/۱۳۔ (۶۹) ندوی، علی احمد، جمہرۃ القواعد الفقہیۃ فی المعاملات المالیۃ، شرکۃ الراجحی المصرفیۃ للاستثمار، ریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ۱/۵۷۲۔ (۷۰) بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی (۴۵۸ھ)، السنن الکبریٰ، کتاب الہبات، شرط القبض فی الہبۃ، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۲/۲۸۱۔ (۷۱) ایضاً، کتاب اللقطۃ، باب یقبض للطفل ابوہ، ۲/۳۱۰۔ (۷۲) علی حیدر، شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ، آرٹیکل، ۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۴۰۔ (۷۳) ندوی، علی احمد، القواعد الفقہیہ: ۱۱۔

گوہر یکتا - ایک تعارف

ڈاکٹر عطا خورشید

ڈاکٹر عارف نوشاہی دور جدید کے فارسی محققین میں ایک معتبر نام ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ برصغیر میں فی الوقت فارسی تحقیق میں ان کا کوئی ہمسر نہیں، تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ فارسی متون کی تحقیق اور مخطوطات کی فہرست سازی میں یہ اولیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ بیسیوں کتابوں کے مصنف اور مولف ہیں۔ اردو اور فارسی میں سیکڑوں مقالات تحریر کر چکے ہیں جو ملک و بیرون ملک کے مقتدر مجلّات میں شائع ہوئے ہیں۔ سال رواں یعنی ۲۰۱۱ء میں ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ان کی تازہ ترین تصنیف گوہر یکتا الفتح پبلی کیشنز، راول پنڈی، پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے ذخیرۂ شیرانی میں کسی احمد یار کا ایک فارسی دیوان محفوظ ہے۔ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور کے شعبۂ فارسی کے تین اساتذہ ڈاکٹر محمد سلیم مظہر، ڈاکٹر نجم الرشید اور ڈاکٹر محمد صابر صاحبان نے اسے احمد یار خان یکتا خوشابی (۱۱۴۷ھ) کا فارسی دیوان سمجھا اور اسے ایڈٹ کر کے مئی ۲۰۱۰ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے شائع کر دیا۔ مرتبین چونکہ ڈاکٹر عارف نوشاہی کے دوستوں میں سے ہیں، لہٰذا ان کے اس کام کی پذیرائی کرتے ہوئے عارف نوشاہی نے اس مطبوعہ دیوان کو باہر کے ملکوں میں بھی اس سوچ کے ساتھ متعارف کرایا کہ باہر کے لوگ اس بات سے واقف ہوں کہ ''پاکستان میں بھی ہنوز فارسی تحقیق زندہ ہے''۔ بعد میں جب انہیں اس دیوان کے بہ نظر غائر مطالعے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ یہ احمد یار خاں یکتا خوشابی کا دیوان نہیں بلکہ کسی موخر زمانہ کے فارسی شاعر احمد یار اوچی (حیات در ۱۲۰۰ھ) کا دیوان ہے جسے مرتبین نے اول الذکر کا دیوان سمجھ کر ایڈٹ کیا اور سارا زور تحقیق یکتا خوشابی پر صرف کر دیا۔ جب ڈاکٹر عارف نوشاہی نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تو انہیں مرتبین کی غلط روی کا احساس ہوا۔ ایک

مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

ہوا۔ ایک محقق ہونے کے ناتے انہوں نے اپنا فرض سمجھا کہ علمی دنیا کے سامنے اس دیوان کی اصلیت ظاہر کی جائے تاکہ آیندہ محققین اس مدونہ دیوان کی روشنی میں غلط راہ پر نہ چل پڑیں۔ ان کی اسی قابل قدر تحقیق کا نتیجہ گوہر یکتا ہے جو اس وقت میرے پیش نظر ہے۔

یکساں رمشترک نام یا تخلص سے مغالطہ کھا کر کسی ایک کا دیوان یا تصنیف دوسرے سے منسوب ہوجانے یا کردینے کی پرانی روایت ہمارے ہاں ملتی ہے۔ چنانچہ محی لاری کا دیوان شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کے نام، معین الدین ہروی کا دیوان خواجہ معین الدین چشتی کے نام، شیخ احمد چرمپوش کا دیوان شیخ احمد جام کے نام، ضیاء الدین خسرو کی خالق باری کا امیر خسرو کے نام منسوب ہوجانا، کبھی لاعلمی کے سبب اور کبھی جعل سازی کے سبب عام سی بات رہی ہے۔ حالانکہ محققین نے بعد میں اصل شاعر کی تحقیق کر کے فارسی ادب میں پنپنے والے اس جعل کا پردہ فاش کیا ہے۔ اس فہرست میں احمد یار اوچی کا بھی دیوان ہے جو احمد یار خاں یکتا خوشابی کے نام سے غلط فہمی کے سبب شائع کیا گیا۔ محولہ بالا دواوین تو عرصہ دراز تک غلط ناموں سے منسوب رہے۔ سیکڑوں سال بعد محققین نے اس غلط فہمی کی اصلاح کی۔ لیکن یکتا خوشابی کے دیوان کے ساتھ جو غلط فہمی پیدا ہوئی یا کی گئی وہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکی اور ڈاکٹر عارف نوشاہی نے ''مردے از غیب بروں آید و کارے بکند'' کے مصداق اس جعل کا پردہ مارچ ۲۰۱۱ء میں یعنی فقط دس مہینے بعد ہی ''گوہر یکتا'' شائع کر کے فاش کردیا اور فارسی ادب میں پنپنے والی ایک غلط فہمی سے آیندہ کے محققین کو محفوظ کردیا۔

ڈاکٹر عارف نوشاہی نے جب اس موضوع پر قلم اٹھایا تو خیال یہ تھا کہ اس علمی تسامح کو دور کرنے کے لیے ایک مقالہ ہی کافی ہوگا۔ لیکن وہ مقالہ طوالت کے سبب کتابی صورت اختیار کر گیا جس کا نام مصنف نے ''گوہر یکتا'' رکھا۔ یہ عنوان مصنف نے دراصل یکتا کی شان میں کہے گئے کسی ہم عصر شاعر کے ایک مصرعے ''گوہر یکتاست احمد یار خان'' سے اخذ کیا ہے۔

گوہر یکتا میں تین مقالات ہیں۔ پہلا مقالہ ''احمد یار خان یکتا خوشابی: احوال و آثار'' کے عنوان سے ہے۔ دوسرا مقالہ ''احمد یار یکتا خوشابی سے منسوب مطبوعہ دیوان کی اصلیت'' کے عنوان سے ہے جبکہ تیسرے مقالے میں یکتا خوشابی کے کلام کا انتخاب ان کی ایک کمیاب قلمی تصنیف ''شش فصل'' سے پیش کیا گیا ہے۔

پہلے مقالے میں یکتا خوشابی کے حالات زندگی تفصیل سے لکھے گئے ہیں ۔ان کے حالات جن ۲۱ قدیم تذکروں میں درج ہیں،ان کی تفصیلات نیز ان میں مندرج حالات کا خلاصہ بھی پیش کیا گیا ہے۔تذکروں کی تفصیل کے بعدان چار تواریخ ادب کا ذکر کیا گیا ہے،جن میں یکتا کا ذکر ہے۔تمام تذکروں اور تاریخوں کی روشنی میں یکتا کی تاریخ وفات (۲۳؍ جمادی الاول ۱۱۴۷ھ)، مقام وفات (خوشاب، پنجاب، البتہ والہ داغستانی نے عظیم آباد بھی لکھا ہے،جس کی تردید کی گئی ہے) اور مدفن (خوشاب ، پنجاب) کا تعین کیا گیا ہے ۔ یکتا کے سال ولادت (۱۰۸۸ھ) کا تعین خود مصنف کتاب نے پہلی دفعہ یکتا کی تصنیف ''شش فصل'' خود یکتا کے ایک بیان کی روشنی میں کیا ہے۔ '' یکتا کے مداحین'' کے عنوان سے ان کے ہم عصر شعراء کے قصیدے اور وہ اشعار درج کیے گئے ہیں جن میں یکتا کا ذکر ہے۔'' آثار'' کے ذیل میں یکتا کی ایک نثری تصنیف شش فصل اور پانچ منظوم تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے ۔مصنف کتاب کے علم میں شش فصل کے دو قلمی نسخے ہیں ۔ پہلا نسخہ سندھالوجی انسٹی ٹیوٹ ،سندھ یونیورسٹی ، جام شورو میں موجود ہے جسے مصنف موصوف نے خود دیکھا ہے۔دوسرے نسخے کی احمد منزوی (فہرست مشترک ، ج ۱۴،ص ۴۳ ،۴۴) کے حوالے سے میر زاہد حسین کے ذاتی کتب خانہ، صادق آباد، ضلع رحیم یار خاں میں موجودگی کی اطلاع دی گئی ہے ۔ تیسرا نسخہ جو راقم الحروف کے علم میں ہے،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری (بذیل سلیمان کلکشن نمبر ۵؍۵) میں موجود ہے۔ یہ رسالہ ۱۶۹ اوراق پر مشتمل ایک کشکول میں شامل ہے،جس میں مختلف شعراء کی غزلیات ، رباعیات ، طبی نسخہ جات ،تذکرۂ نکات الشعراء مصنفہ میر تقی میر، شش فصل مصنفہ احمد یار خاں یکتا ، ایک مجہول الاسم رسالۂ انشاء ، نیز رسالہ می باید شنید مصنفہ محمد علی رفعت درج ہیں۔شش فصل (ق ۱۴۵ الف ۔۱۵۵ب) کے سرلوح پر شنگرفی روشنائی سے ''نسخہ شش فصل من تصنیف احمد یار خان یکتا تخلص'' تحریر ہے۔خفی اور واضح کتابت میں ۱۱ اوراق پر مشتمل یہ نسخہ ۱۱۹۶ھ کا کتابت شدہ ہے گویا یکتا کی وفات سے کوئی پچاس سال بعد ۔ کاتب کا نام کہیں درج نہیں ہے ۔ترقیمے کی عبارت اس طرح ہے ''تمت تمام شد نسخہ مسمی بشش فصل من تصنیف احمد یار خان یکتا تخلص غفر اللہ ذنوبہ، روز پنج شنبہ بیست و پنجم شہر ذی الحجہ ۱۱۹۶ ہجری بوقت سہ پہر بہر یادآوری رقم نمودہ شد''۔

دستیاب منظوم تصانیف کے ذیل میں دیوان یکتا (غیر مطبوعہ) ، ہیر ورانجھا (مطبوعہ)

اور گلدستۂ حسن (مطبوعہ) کا تفصیل سے ذکر ہے۔ جب کہ غیر دستیاب منظوم تصانیف کے ذیل میں مختلف تذکروں کے حوالے سے جہان آشوب یا شہر آشوب اور مثنوی دیگر (مجہول الاسم) کا ذکر کیا گیا ہے۔

دیوان یکتا کا تعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر نوشاہی اس کے مزید کلام کی دریافت کا ایک اہم ماخذ مختلف قلمی بیاضوں کو قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ ایک بیاض مخزونہ کتب خانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، دوسری بیاض مخزونہ ذخیرۂ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور اور تیسری سراج الدین حسینی اورنگ آبادی کی بیاض سفینۃ المفردات کا ذکر کرتے ہیں۔ مولانا آزاد لائبریری کے ذخیرۂ حبیب گنج میں بھی ۲۲ اوراق پر مشتمل ایک قلمی بیاض موجود ہے (نمبر ۵۰/۵۵۲) جس میں یکتا کی سات غزلیں اور چار مفردات (کل ۵۲ اشعار) درج ہیں (ص ۱۰ب تا ۱۱ب)۔(۱) کلام یکتا کے حوالے سے یہ نہایت ہی اہم بیاض ہے کیونکہ یہ نہ صرف یکتا کی حیات میں ہی ترتیب دی گئی ہے، بلکہ مرتب بیاض غالبًا یکتا سے قربت بھی رکھتا ہے، جس نے کلام سے قبل کے مکمل صفحے (ص ۱۰الف) کو یکتا کی شان میں کہے گئے فقط ایک شعر کے لیے وقف کر دیا ہے:

آن احمد یار خان کہ محبوب خدا است   از نظم کلام خویش اعجاز نما است

کلام کے آغاز میں سرلوح پر شنگرفی روشنائی سے ''اشعار احمد یار خان یکتا سلمہ اللہ'' درج ہے۔ اگلے صفحے پر دوسری غزل کے آغاز میں ''ولہ سلمہ'' لکھا ہے، جو اس بات کا شاہد ہے کہ یہ بیاض یکتا کی حیات میں لکھی گئی ہے۔ یکتا کے زیادہ سے زیادہ اشعار منظر عام پر آ جائیں، اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے محولہ بالا بیاض سے تمام اشعار اس مقالے کے آخر میں نقل کیے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر عارف نوشاہی نے آزاد بلگرامی کی سرو آزاد اور دیگر تذکروں میں درج یکتا کے ۱۹ اشعار بھی نقل کیے ہیں (ص ۲۹، ۳۰ اور ۷۱، ۷۲)۔ ان ۱۹ اشعار میں ۶ اشعار بیاض مخزونہ کتاب خانہ مولانا آزاد میں موجود ہیں۔ لیکن ان میں کچھ املائی فرق اور اختلاف نسخ بھی ہیں اس لیے سبھی اشعار کی اشاعت ضروری سمجھی گئی تا کہ آیندہ یکتا کے کلام پر کام کرنے والوں کے سامنے دونوں قرأتیں موجود رہیں۔(۲)

یکتا کی ایک مطبوعہ تصنیف مثنوی ہیر و رانجھا ہے جو ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ مرتبین کو اس کا کوئی قلمی نسخہ دستیاب نہ ہو سکا جب کہ عارف نوشاہی نے اس کے تین قلمی

نسخوں کی نشاندہی کی ہے۔ دو نسخے نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد کے ذخیرۂ مفتی فضل عظیم بھیروی میں اور ایک نسخہ پیر حسام الدین راشدی کے کتاب خانے میں۔ ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ کے ذخیرۂ منیر عالم (نمبر ۷۱/۴) میں بھی ہے۔ ۷۱ اوراق پر مشتمل اس نسخے میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ واضح ہو کہ مثنوی ہیر ورانجھا کا مذکورہ مطبوعہ نسخہ بھی مولانا آزاد لائبریری میں موجود ہے۔

لاہور سے شائع شدہ یکتا سے منسوب دیوان کے ساتھ یکتا کی ۱۲۸۵ اشعار پر مشتمل ایک فارسی مثنوی گلدستہ حسن بھی ہے۔ عارف نوشاہی کے علم میں اس کے دو نسخے ہیں، ایک کتاب خانہ ملی ملک، تہران کا نسخہ جس کے پہلے اور آخری صفحے کا عکس بھی شامل کتاب کیا گیا ہے اور دوسرا کتاب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کا نسخہ۔ مولانا آزاد لائبریری کے ذخیرۂ حبیب گنج میں موجود متذکرہ بالا قلمی بیاض فارسی (نمبر ۵۰/۵۵۲) میں یکتا کی فارسی غزلوں کے بعد ورق ۱۱۲ الف پر مثنوی گلدستہ حسن کے ۱۳۳ اشعار بھی درج ہیں۔ یہ غالباً منتخب اشعار ہیں کیونکہ کتاب میں شامل نسخہ ایران کے دو صفحات پر مندرج اشعار میں سے فقط تین اشعار ہی اس بیاض والے اشعار میں شامل ہیں۔ مثال کے لیے اس انتخاب سے ابتدا کے اور آخر کے تین تین اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

سرنامہ بہ نام شاہد غیب — شاہنشہ گنج حسن لا ریب
شاہی کہ بہ حسن بی زوالش — دل بسمل دشنۂ خیالش
بیداد نہاں ز عشوۂ مست — صد شیشۂ دل گرفت و بشکست

آخری تین اشعار:

خوش موسم و طرفہ روزگاری — ابری، برقی، گلی، بہاری
من بودم و دل دران گلستاں — با زمزمۂ ہزار دستاں
در کنج نشیمنی نشستم — صد گونہ خیال نقش بستم

کتاب کا دوسرا مضمون "احمد یار (خان) یکتا خوشابی سے منسوب مطبوعہ دیوان کی اصلیت" کے عنوان سے ہے۔ یہی مضمون دراصل اس کتاب گوہر یکتا کا وجہ تصنیف بھی ہے۔ اس مضمون میں مصنف ڈاکٹر عارف نوشاہی نے مطبوعہ دیوان کے اندرونی شواہد کے ذریعہ اس دیوان کو جسے مرتبین احمد یار خان یکتا خوشابی کا دیوان کہہ رہے ہیں، احمد یار اوچی کا دیوان ثابت کیا ہے۔ سب

سے پہلی اور مضبوط دلیل یہ پیش کی ہے کہ پورے دیوان میں کہیں بھی ''یکتا''، تخلص استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ تخلص کی جگہ پورا نام ''احمد یار'' استعمال ہوا ہے۔ دوسری مضبوط دلیل یہ ہے کہ تذکرہ نگاروں نے یکتا کے تذکرے کے ذیل میں جو نمونۂ کلام دیا ہے اس میں سے ایک شعر بھی اس مطبوعہ دیوان میں موجود نہیں ہے جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ مطبوعہ دیوان، احمد یار خان یکتا خوشابی کا نہیں ہے۔ تو پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ دیوان کس کا ہے؟ اس سوال کا بھی مصنف نے جواب دیا ہے اور مطبوعہ دیوان کے اندرونی شواہد کی روشنی میں ثابت کیا ہے:

۱- یہ دیوان ''یکتا خوشابی'' کا نہیں بلکہ ''احمد یار'' تخلص رکھنے والے کسی شاعر کا ہے۔
۲- یہ ''احمد یار'' اوچ کا رہنے والا ہے، خوشاب کا نہیں۔ ۳- ۱۲۰۰ھ تک شاعر یعنی احمد یار کے باحیات ہونے کا ثبوت اس کے اشعار میں ملتا ہے جب کہ یکتا خوشابی ۱۱۴۷ھ میں فوت ہو چکا تھا۔

تمام شواہد بہم پہنچانے اور یہ ثابت کر لینے کے بعد کہ مطبوعہ دیوان، احمد یار خان یکتا خوشابی کا نہیں بلکہ کسی احمد یار اوچی کا ہے، مصنف نے مرتبین کے مدونہ متن کا بھی جائزہ لیا ہے اور افسوس کے ساتھ یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ ''کوئی صفحہ ایسا نہیں ہے جہاں ایک نہیں، کئی کئی غلطیاں موجود نہ ہوں'' (ص ۹۳)۔ اس کے بعد تمام غلطیاں اور ان کی اصلاحیں درج کی ہیں۔ آخر میں ایک غلط نامہ بھی شامل کیا ہے جو دس صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کی اشاعت کے بعد عارف نوشاہی کو اپنی تحقیق کی تائید میں کچھ مواد محمد عزیز الرحمٰن عزیز بہاول پوری کی ادارت میں بہاول پور سے شائع ہونے والے ایک اردو ماہنامہ العزیز سے حاصل ہوا۔ جس میں مدیر موصوف کا ایک سلسلہ مضامین نوابان بہاول پور کے ذاتی کتب خانے میں موجود قلمی نوادر پر مشتمل ''نوادر کتب خانہ سلطانی'' کے عنوان سے شائع ہوتا تھا۔ جنوری ۱۹۴۱ء کے شمارے میں دیوان احمد یار اوچی کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے اور حالات کے لیے ان ہی کے اشعار سے استدلال کیا گیا ہے۔ وہ سارے وہی اشعار ہیں جو مطبوعہ دیوان میں موجود ہیں۔ چونکہ العزیز کا حوالہ گوہر یکتا کی اشاعت کے بعد حاصل ہوا، اس لیے مصنف نے ۴ صفحات پر علاحدہ سے ''استدراک'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھ کر کتاب کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔

گوہر یکتا کا تیسرا مقالہ ''انتخاب کلام یکتا خوشابی'' کے عنوان سے ہے، جس میں عارف

نوشاہی نے یکتا کی نثری تصنیف شش فصل میں مختلف مناسبتوں سے شامل اس کے اشعار کو علاحدہ کرکے یہ انتخاب تیار کیا ہے تاکہ ''برصغیر کے اس اہم فارسی گوشاعر کے زیادہ سے زیادہ دستیاب اشعار محفوظ ہوکر قارئین تک پہنچ سکیں''۔اسی خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں موجود بیاض فارسی (نمبر۲۵۵/۵۰) میں منقول یکتا کے کلام کو بھی یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

اشعار احمد یار خان یکتا سلمہ اللہ

چیست ایں بوقلمون طرح تزلزل بنیان — کہ بہ درکش نظر آوارہ و دل سرگرداں
عقل گردابی اندیشہ وہم آشوبش — فکر طوفانی صد موجۂ بحر نسیاں
ہیچ در مشت فنا تعبیہ عقل فریب — سیمیا پیکر نیرنگ فسوں سحر فشاں
لغزی مشکل و سردرگم و درہم پیچ است — صد گرہ مغلطہ پابند رہ و ہم و گماں
طفل بازیچۂ غفلت چہ قدر نادانی — کہ گہی میری و گہ خانی و گاہی خاقاں
از ازل نام تو بر لوح فنا گشتہ رقم — تو چو حیوان پی آب و علفی سرگرداں
ہستی ات زلزلہ طوفانی دشت عدم است — ای غلط موج سراب ایں ہمہ جوش وطغیاں
تو زغفلت بہ تماشای جہاں مائل و عمر — می برد از نفست سوی اجل رشتہ کشاں
سیر بازار چہ خوش دل کند آں دل شدہ را — کہ برندش پی گردن زدن از کوچہ دواں
گرد بادی تکبر کہ ترا ہمچو غبار — بہ فلک برد کہ باخاک نماید یکساں
حبذا خلق و جہاں عقل چنیں می یابد — ہیچ بیمی نہ ز دوزخ، نہ امیدی ز جہاں
گلہ حیواں و شکم بندہ و مشتاق علف — مسخ گر دیدہ بہایم ہمہ شکل انساں
بس کہ خون شد جگر حوصلہ از وضع جہاں — دل بہ جان آمد و جانم بہ لب ولب بہ فغاں
بہ جنون زد دل وزود است کہ آشفتہ شود — الحذر تا نکند خانۂ ہستی ویراں
می عشقش دہ و مستش کن و رندی [بنما] (۳) — بشکن خانۂ گیسوی شہ ہر دو جہاں
دہ چہ گیسو کہ بہ ہر پیچ وخم پر شکنش — دو جہان عالم دل بستہ بہ زنجیرستاں
مطلعی در صفت شوخی نازش سرزد — لفظ و معنی ہمہ جنت کدہ و حورستاں
دو جہان عمر فدای قدت ای سرو رواں — ہمہ جانی ہمہ جانی ہمہ جانی ہمہ جاں

ولہ سلمہ

تا خطش طرح جہانگیری و کاؤسی ریخت لشکر زنگ چو رومی بہ سر روسی ریخت
شمع از رشک رخش بوقلمون سوخت بہ بزم جای اشک از مژہ خاکستر طاؤسی ریخت
بردر بتکدہ از نالۂ زارم ناقوس ہمہ تن اشک شد و در بر ناقوسی ریخت
نیست شبنم کہ ز رشک رخ ہیچوں سحرش عرق شرم مہ از گنبد فانوسی ریخت
سرمہ آلود نگاہی کہ بہ یادم آمد کہ سرشک شفقی از مژہ ام طوسی ریخت
بہ امیدی کہ شود جلوہ گر آن سرو رواں خاک شد جبہہ و در راہ قدمبوسی ریخت
از نسیم نظر پاک نبی یکتا را برگ و بار شجر کلفت مایوسی ریخت
گلفشان ایں غزل از ہند سوی ایران رفت صد چمن گل بہ مزار قمی وطوسی ریخت
جلوہ گلریزان خرامی بردہ تا ہوشم ز جا صد جگر گلبرگ ترمی ریزد از اشکم جدا
تا شہید ناز رنگین جلوہ شوخی گشتہ ام مشت خاکم بر کف رنگ شفق بندد حنا
چشم بدمستی طلسم طاقتم درہم شکست رفتم از خود چون ترنگ شیشہ بر دوش صدا
تا خیال زلف مشکینش بہ دل پیچیدہ است ہست ہریک آہ من دیوانۂ زنجیر پا
نامۂ ما بیدلان عجز است و قاصد بیکسی جرأت ای اشک سبک رو، ہمت ای آہ رسا
بیاض گردن و آن کاکل مشکین تماشا کن بہم یکجا بہار سنبل و نسرین تماشا کن
گلستان بہار جعفری سیر عجب دارد چراغان گل و پروانۂ رنگین تماشا کن
نخواہد سیر گلشن طبع کاہل مشرب زاہد نمی جنبد ز جا از فربہی تمکین تماشا کن
ز نقش ایں نگارستان فرد (؟) از خویشتن (یکتا) چو اہل معرفت از چشم عبرت بین تماشا کن
ای ز خال آتشیں رخسار شوخت سینہ ہا ہم چو دشت لالہ از داغ جنون گنجینہ ہا
شوخی قلاب مژگان کجت آرد برون ماہیان جوہر از سرچشمۂ آئینہ ہا
حسن صافت بس کہ پالغز نگاہ حیرت است بستہ اند از حلقہ ہای جعد زلفت زینہ ہا
از بس کہ سراپا زغم عشق تو داغم چوں کاغذ آتش زدہ یک شہر چراغم
ہر ایاغ حلقۂ زلفش پر است از صاف حسن حیرتم گل می کند زین جام کج دار و مریز

مطلب از سیر قلندر بہ جہان دیدار است | ورنہ این آب وعلف در ہمہ جا بسیار است
من شمارا جواہر شناس می دانستم (کذا) | معلوم شد کہ در نسب آبریشم است (کذا)
حباب آسا برآمد اشک من جوشیدہ جوشیدہ | مگو این راز با کس کاسہ را پوشیدہ پوشیدہ
مرا چشم طمع بر کاسۂ الوان مردم نیست | قناعت پیشہ کردم خون دل نوشیدہ نوشیدہ
تہی گردد حباب آخر زخود جوشیدہ جوشیدہ | چو ظاہر شد طمع از کاسہ اش پوشیدہ پوشیدہ(۴)
ہریسہ پشم باشد برمزاج آن خسیسی کو (کذا) | بہ خاک انداز د آخر کاسہ را نوشیدہ نوشیدہ
من آن مسکین سحاب فیض بخش بحر نیسانم | کہ گردانم صدف را کان در کوشیدہ کوشیدہ
داغہا بر جگر از شیشہ (نشانم)(۵) کردند | ہم چو اخگر (ہمہ تن)(۶) داغ نہانم کردند
از شرار نفسم پیکر زنجیر گداخت | بس کہ در دشت جنون برق عنانم کردند
طپش دل نگہم را بہ سر مژگان سوخت | شمع سان آتش شوقی کہ بہ جانم کردند
بار اندوہ بہ دل ، نالۂ جانکاہ بہ لب | چوں جرس قافلہ سالار فغانم کردند
نشد امروز دلم بستہ بہ زلفت ، ز ازل | این کمندی است کہ بر گردن جانم کردند

مولانا آزاد لائبریری میں موجود ایک دیگر بیاض فارسی (یونیورسٹی کلکشن نمبر (۳) ۱۳۸، ورق ۱۵۲ اب) میں بھی یکتا کا کلام موجود ہے۔ جس میں ایک غزل (......ریختہ والی) اور تین فردیات درج ہیں۔ ایک شعر (......شہر چراغم) محولہ بالا انتخاب میں شامل ہے، بقیہ دو اضافی اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

در جنب رحمتش چہ نماید گناہ خلق | یک مشت خاک گل نکند آب بحر را
ہیچ می دانی خراباتی بہ می خواران خوش است | آری آری رحمت حق بر گنہ کاران خوش است

حواشی

(۱) Catalogue of Manuscripts in the Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University, Aligarh: Habib Ganj Collection Vol.I, Pt.I (Poetry) pp.253-254. یوں تو اس بیاض میں کئی چیزیں شامل ہیں جس کی تفصیل فہرست نگار نے دی ہے لیکن کاتب نے سرورق پر صرف دو چیزوں کا ہی ذکر کیا ہے: اول برہان الواصلین اور دوم کلام احمد یار خان یکتا۔ (۲) نسخہ کی قدامت اور کرم خوردگی کے سبب تمام اوراق پر باریک کاغذ چسپاں کیا گیا ہے۔ مرور ایام کے زیر اثر کاغذ کا رنگ مائل بہ زرد ہو گیا ہے اور عبارت بھی دھندلی ہو گئی ہے۔ (۳) اصل میں کرم خوردہ، بنما کا اضافہ قیاسی ہے۔ (۴) اس شعر کے آغاز میں حاشیہ پر ''مجنون سلمہ تعالے'' لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ شعر مجنون نامی شاعر کا ہو یا شاید یکتا نے بعد میں اسے مطلع بنایا ہو جو پہلے مطلع سے بہتر ہے یا مجنون نے یکتا کی پیروی میں کہا ہو یا یکتا نے خود مجنون کے تتبع میں یہ غزل کہی ہو۔ یہ سب احتمالات ہو سکتے ہیں۔ (۵) کرم خوردہ، نشانم کا اضافہ قیاسی ہے۔ (۶) کرم خوردہ، ہمہ تن کا اضافہ قیاسی ہے۔

عصر جدید کا ایک انسان دوست مفکر

پروفیسر محمد اقبال

گذشتہ دس برسوں میں بانی جامعہ ہمدرد، حکیم عبدالحمید (مرحوم) کے بارے میں درجنوں مضامین اور متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔حکیم صاحب کی ذاتی خصوصیات مثلاً ان کی سادگی، منکسر المزاجی، وقت کی پابندی، محنت وریاضت، خوش خلقی اور تعلیم وتحقیق سے دلچسپی پر کافی کچھ لکھا گیا ہے۔ادارہ سازی اور قومی خدمات والے پہلو پر بھی خاصی روشنی ڈالی گئی ہے اور طب یونانی کے فروغ کے لیے ان کی مساعی مسلسل کو بھی جی کھول کر سراہا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ملت کی سرخ روئی کے لیے حکیم صاحب کی مخلصانہ کدوکاوش کے ضمن میں ہم سبھی ان کے مقروض اور احسان مند ہیں۔طب یونانی اور علم وتعلم کو یقیناً حکیم صاحب کے پہلے پیار کی حیثیت حاصل تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی پرواز تخیل محض ان ہی دو دائروں تک محدود نہیں رہی۔ان کے فہم وذکا کی وسعتیں کئی دیگر موضوعات اور عصری تقاضوں کا احاطہ کرتی تھیں۔کچھ مخصوص قومی اور عالمی مسائل پر وہ ایک منفرد اور مضبوط رائے رکھتے تھے، بولتے تو کم تھے لیکن سوچتے بہت تھے۔ مختصر یہ کہ ایک کامیاب طبیب، سماجی خدمت گار اور علمی ثقافتی اداروں کے بانی ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم صاحب مرحوم ایک قوم پرست مفکر اور مستقل مزاج مدبر بھی تھے مگر ان کی ہمہ جہت شخصیت کا یہ پہلو ان کے مداحوں کی نگاہ سے بھی کافی حد تک اوجھل رہا ہے۔

تاریخ طب حکیم صاحب کا محبوب ترین موضوع تھا۔تکمیل ذوق کے لیے انہوں نے انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اور میڈیکل ریسرچ (ادارۂ تاریخ طب اور طبی تحقیق) نامی ادارہ قائم کرکے اس میدان میں پیش قدمی کی۔۱۹۸۹ء میں جامعہ ہمدرد کے وجود میں آنے پر اس

ڈیپارٹمنٹ آف باٹنی، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی ۱۱۰۰۶۲۔

انسٹی ٹیوٹ کی عمارت میں سائنس کی فیکلٹی قائم ہوگئی جس میں دیگر سائنسی مضامین کے علاوہ ایک شعبہ تاریخ طب وسائنس کا بھی تھا۔انگریزی میں شائع ہونے والا تحقیقی جریدہ ''جرنل آف ہسٹری آف سائنس اینڈ میڈیسن'' بھی اسی شعبے کا ترجمان تھا،اس کی ادارت کی ذمہ داری پہلے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ فزکس سے منسلک پروفیسر رضاء اللہ انصاری نے اور بعد میں جامعہ ہمدرد کے پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے نبھائی۔کچھ عرصہ بعد شعبۂ تاریخ طب وسائنس کو ایک مرکز کی شکل دے کر اسلامک اسٹڈیز اور سوشل سائنس کی فیکلٹی میں منتقل کردیا گیا۔حکیم الطاف احمد اعظمی کی کاوشوں سے برسہابرس یہ مرکز فعال رہا۔۲۰۰۴ء میں اعظمی صاحب کے ریٹائر ہوجانے پر اس تاریخی مرکز کی چال لڑکھڑانے لگی اور ۲۰۰۶ء کے جاتے جاتے یہ خود بھی تاریخ کا ایک حصہ بن گیا۔

تاریخ طب کی زلفیں سنوارنے کی خاطر حکیم صاحب نے ایک اور زبردست علمی منصوبے کا آغاز کیا تھا۔انہوں نے شیخ بوعلی سینا کی مشہور زمانہ تصنیف ''القانون فی الطب'' کا معتبر تشریح وتوضیح کے ساتھ عربی سے انگریزی میں ترجمہ کرانے کے ایک طویل مدتی پراجیکٹ پر کروڑوں روپیہ خرچ کرڈالا۔وقتاً فوقتاً کئی جید علماء کی خدمات حاصل کیں،ترجمے کی تین جلدیں حکیم صاحب کی زندگی میں ہی شائع ہوگئی تھیں۔آخری جلد پر بعد میں بھی کام ہوتا رہا اور اس کی اشاعت ہنوز التوا کا شکار ہے۔اب رفتہ رفتہ ارباب اختیار کی ترجیحات بھی بدلتی جارہی ہیں۔بہرحال کسی بھی سبب سے حکیم صاحب کا یہ خواب اگر تشنۂ تعبیر رہ گیا تو یہ ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن اور جامعہ ہمدرد دونوں کے ذمہ داران کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔

القانون کے انگریزی ترجمے کی اسکیم کو ایک بڑی حکمت عملی کا حصہ قرار دیتے ہوئے حکیم صاحب نے ایک خط میں لکھا تھا:

> ''وہ (حکمت عملی) یہ ہے کہ طب قدیم یا طب عربی کو یورپ اور امریکہ کی راہ سے دوبارہ ہندوستان میں نئی شان سے لایا جائے۔یہاں کی ناقلانہ ذہنیت کے لیے اس سے زیادہ کارگر کوئی (دوسری) تدبیر ہو نہیں سکتی،ٹیگور کی یہاں تب پوچھ ہوئی جب گیتا نجلی کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہوا اور اس پر اس کو نوبیل پرائز ملا۔اقبال کی یہاں اس وقت تک پذیرائی نہیں ہوئی جب تک کہ نکلسن نے

اسرار خودی وغیرہ کا ترجمہ شائع نہیں کر دیا۔ کھورانہ کو اپنا ثابت کرنے کے لیے یہاں کوششیں اس وقت ہو رہی ہیں جب امریکہ اور یورپ نے اس (کے کام) پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اسی طرح مجھے یقین کامل ہے کہ قانون کا انگریزی ترجمہ طب قدیم کے احیائے جدید کا باعث ہوگا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ انگریزی جیسی عالم گیر زبان میں قانون کا مکمل ترجمہ ابھی تک شائع نہیں ہو سکا ہے''۔

طب یونانی کے علاوہ حکیم صاحب کو سب سے زیادہ دلچسپی مطالعات اسلامی میں تھی۔ وہ غیر مسلم بھائیوں کو اسلام کی سچی تصویر دکھانے کے متمنی تھے۔ عالم اسلام کا انتشار، مختلف عنوانات کے تحت باہمی اختلافات، مسلم پرسنل لاء کی صورت حال اور مسلم سماج کی دیگر کمزوریاں حکیم صاحب کے ذہن میں مسلسل کھٹکتی رہیں۔ ان کی ایک خواہش یہ بھی تھی کہ تمام اسلامی ممالک میں مروجہ عائلی قوانین اور ان کے بنیادی دساتیر کا ایک مکمل سروے اور معروضی تجزیہ کیا جائے۔ حکیم صاحب کی ایما پر ڈاکٹر طاہر محمود صاحب نے اس کام کا آغاز بھی کیا مگر پھر حکیم صاحب ہی نہ رہے۔ دراصل حکیم صاحب کے ذہن میں اسلام کا ایک وسیع تر آفاقی تصور موجود تھا جس کی وجہ سے فقہی اور دوسرے مسلکی اختلافات انہیں بے چین رکھتے تھے اپنے ایک نوٹ میں انہوں نے اپنی بے چینی کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''بقول علامہ اقبال جس نے اسلامی فقہ کی تجدید کی راہیں پیدا کر دیں وہی اسلام کا حقیقی مجدد ہوگا۔ آج کل بھی جب کہ طرح طرح کے قانونی مسائل ہولناک انداز اور شکلوں میں سامنے آ رہے ہیں، ہمارے فقہاء، وہی پرانی لکیروں کو پیٹے چلے جا رہے ہیں اور پرانے ''خولوں'' سے باہر نکلنے کا نام نہیں لیتے۔ چاند پر ''ریسرچ'' کے ڈھیر لگے چلے جا رہے ہیں۔ مگر امام صاحبان ''چاندرات'' کو گواہیاں طلب فرماتے رہتے ہیں۔ امت کی وہ اجتماعیت تباہ ہو رہی ہے، جس پر رسول اللہؐ نے قدم قدم پر زور دیا ہے۔ عید پوری دنیا میں تین تین دن منائی جا رہی ہے۔ کوئی روزہ رکھ رہا ہے، تو کوئی دوپہر کو کھول رہا ہے۔ چاندرات کو لوگ پریشان پھر رہے ہیں کہ چاند ہوا یا نہیں۔ آج کل سائنس کے زمانہ میں جب کہ دنیا سمٹ

کر ایک شہر بن گئی ہے، چاند کا مسئلہ واقعتاً مسئلہ ہے ہی نہیں...... فقہی مسائل کا احاطہ بھی اس زمانہ میں شاید ابھی کسی نے نہیں کیا ہوگا۔ مسائل حاضرہ فقہی کی ایک فہرست سامنے ہو تو غور و بحث کی بنیاد سامنے آسکتی ہے اور پھر حل کی صورتیں بھی سامنے آسکتی ہیں۔ ایک حل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو بھی اسلامی فقہ موجودہ مسائل کا حل پیش کرے۔ اس کو قبول کرلیا جائے۔ ممکن ہے اسی راہ سے اس تفرقہ کو دور کرنے کی راہ بھی نکل آئے، جس نے اسلام اور امت کا پیچھا ابتدا ہی سے کر رکھا ہے''۔

اپنے ذہن کے ان خاکوں میں رنگ بھرنے کے لیے حکیم صاحب نے ۱۹۶۳ء میں کناٹ پیلس کے قریب پنچ کوئیاں روڈ پر ایک کرائے کی عمارت میں ''انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز'' کی اساس ڈالی، ۱۹۷۲ء میں یہ انسٹی ٹیوٹ ہمدرد نگر، تغلق آباد میں منتقل ہوگیا۔ حکیم صاحب کا خیال تھا کہ اس ادارے میں جب شد و مد سے تحقیقی کام شروع ہوگا تو اسلامی موضوعات پر مستشرقین کی تصنیفات کو جو اہمیت حاصل تھی وہ ختم ہوجائے گی اور اسلامیات پر ریسرچ کی باگ ڈور ان ہاتھوں میں آجائے گی جن میں واقعتاً اسے ہونا چاہیے۔ یہ ادارہ اسلامیات پر تحقیق و تبصرے کا ایسا مرکز بنے گا جسے بین الاقوامی شناخت اور معتبریت حاصل ہوگی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اس ادارے کے جسم میں توحید، عدل اور عقل و فہم کی روح رچی بسی ہوگی۔ تقابل ادیان اور اسلامی معشیت کے میدان میں نمایاں کام کرنے والوں کے لیے اس ادارے کی جانب سے پندرہ ہزار روپے کا ایک ایوارڈ بھی رکھا گیا تھا جو ہر دوسرے سال دیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں ایک تحقیقی جریدے "Studies in Islam" کا آغاز کیا گیا جو کئی نشیب و فراز سے گذرنے کے بعد ابھی بھی جاری ہے۔ اس ادارے کی سربراہی جناب سید اوصاف علی صاحب کے حصہ میں آئی جن کے تخیل کی پرواز ہمیشہ بلند رہی، چشم تصور سے وہ بھی ادارے کو اسی بلندی پر دیکھتے تھے جو حکیم صاحب کی مطمح نظر تھی۔ لیکن خیالی بلندیاں بہت بڑھ جانے پر زمینی حقائق نگاہوں سے اوجھل ہوتے گئے۔ نتیجتاً جامعہ ہمدرد کے وجود میں آنے کے بعد یہ انسٹی ٹیوٹ سکڑ کر ایک ڈیپارٹمنٹ بن گیا۔ یعنی وہی واقعہ رونما ہوا جو کبھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوا تھا، انسٹی ٹیوٹ کی پرشکوہ

عمارت اب فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ سوشل سائنسز کے نام سے موسوم ہے جس کی ایک منزل پر شعبۂ علوم اسلامیات بھی قائم ہے۔

ابتدائی دور میں یہاں بین الاقوامی اسکالرس کا کافی آنا جانا رہا لیکن رفتہ رفتہ فضا بدلتی گئی۔ یونیورسٹی کے ضابطوں کے مطابق اوصاف علی صاحب بھی اپنی بلند خیالی اور خوش خوابی کو اپنے ساتھ لیے ۱۹۹۲ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ برسہا برس لڑکھڑانے کے بعد بہرحال اب اس شعبے میں باقاعدہ بی۔اے (آنرز) اور ایم۔اے کی تدریس کا آغاز ہوگیا ہے۔ پی۔ایچ۔ڈی ریسرچ کا بھی اہتمام ہے، تقریباً اسی طرح کا جیسا کہ دیگر معاصر جامعات میں ہے۔ وہ تصور کہ اس تحقیقی مرکز سے ملت اسلامیہ کو عالمی پیمانے پر معتدل قیادت اور رہنمائی ملے گی اور مسائل حاضرہ کی فہم کے لیے جب یہاں سے نئی روشنی کی کرنیں پھوٹیں گی تو تمام عالم کو معمور کریں گی، اب محض ایک خواب ماضی معلوم ہوتا ہے۔

حکیم صاحب شعبۂ مطالعات اسلامی کو جامعہ ہمدرد کا سب سے اہم حصہ مانتے تھے مگر اس کی کارگردگی سے مایوس تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ اس پلیٹ فارم سے کچھ ایسے انقلابی کام ہوجائیں جو ملت اسلامیہ کے بکھرتے ہوئے شیرازہ کو یکجا کرنے میں مدد ومعاون بنیں۔ مثلاً امت مسلمہ کے مسلکی تفرقات کی بیخ کنی کے لیے مدلل مواد تیار کیا جائے۔ مسلمانوں کے شیعہ اور سنی فرقوں کے مابین نظریاتی اختلافات پر تحقیق وتفکر کے ذریعہ افہام وتفہیم کی فضا بنائی جائے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین چلی آرہی بہت سی بے بنیاد غلط فہمیوں کو جو بسا اوقات نفرت و عداوت پر منتج ہوتی ہیں، ختم کرنے کے لیے منظّم منصوبہ بندی کے ساتھ کام شروع کیا جائے وغیرہ وغیرہ، گذشتہ صدی کے آخری دہے میں جب پروفیسر رشید الظفر صاحب نے جامعہ ہمدرد کی باگ ڈور سنبھالی تو اس ضمن میں خاصی ہلچل دکھائی دی، انہوں نے علی گڑھ کے دو لائق اساتذہ اور خدابخش اورینٹل لائبریری پٹنہ کے سابق ڈائریکٹر جناب عابد رضا بیدار کی خدمات حاصل کیں، رشید صاحب اور عابد صاحب سے قبلہ حکیم صاحب کو بہت زیادہ توقعات تھیں، اس سلسلے میں حکیم صاحب فرماتے ہیں:

”کچھ مرحلوں پر تو کام ہو ہی رہے ہیں، جیسے تقسیم ہند کا مرحلہ، مسلمانوں

کی تعلیمی صورت حال اور واقعی آبادی کا مسئلہ، اردو کی بقا کا مسئلہ، غالب اکیڈمی کو فعال بنانے کا مسئلہ، یہ اور ان جیسے کام انشاءاللہ کسی نہ کسی طرح دو تین سال میں پورے ہو ہی جائیں گے۔ اسی کے ساتھ ممکن ہے کہ مسلمانوں کے اپنے انگریزی اخبار کے مسئلے کی ابتدائی چول بھی بیٹھ جائے۔ لیکن جس مرحلے نے آج کل مجھے بے چین کر رکھا ہے وہ ریسرچ اور تعلیمی سروے کے وہ پروجیکٹس ہیں جو ہمدرد یونیورسٹی کی اسلامک اور سوشل سائنس فیکلٹی سے متعلق ہیں، ان میں دو تین تو ایسے ہیں جن کے اثرات اور نتیجوں کا اندازہ شاید میں بھی کم ہی کر رہا ہوں، حالانکہ یہ پروجیکٹس میرے اپنے ہی ہیں۔

وہ اصحاب جن سے میں ان پروجیکٹس پر کام کر کے تکمیل تک پہنچا دینے کی امید لگائے بیٹھا ہوں اور جن کو میں نے اپنے اعتماد میں لے رکھا ہے، وہ ہمارے وائس چانسلر (اس وقت کے شیخ الجامعہ، پروفیسر رشید الظفر) صاحب اور ڈاکٹر عابد رضا بیدار (خدا بخش لائبریری، پٹنہ کے اس وقت کے ڈائریکٹر) ہیں۔ ڈاکٹر بیدار صاحب سے تو میں نے ایک بار ان کی جائے قیام پر خاصی کھل کر باتیں کیں اور ان پروجیکٹوں میں مضمر اثرات کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کوشش کا عملی نتیجہ اب تک سامنے نہیں آیا۔ بس وعدے ہی وعدے ہوتے رہے۔ حال میں میں نے ان کو جو خط لکھا ہے وہ میری ''بے چینی'' کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر بیدار صاحب اپنے ایک کام کے لیے جب دہلی آئے تو ان سے کچھ باتیں بھی ہوئیں۔ اس خط میں میں نے کئی متبادل تجویزیں بھی پیش کیں اور میں نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ وہ فی الحال دو ماہ کے لیے میرے ساتھ لگ جائیں تاکہ میں ان پروجیکٹوں کی ابتدائی چولیں تو بٹھا دوں، لیکن وہ اتنا بھی نہیں کر سکے۔ کاش ان کے دل اور دماغ میں یہ بات کسی نہ کسی طرح اتر جائے کہ اب تک انہوں نے اپنی زندگی میں جو کام کیے ہیں، وہ پیش نظر پروجیکٹوں پر کام اور ان کی تکمیل کے سامنے ماند ہو کر رہ جائیں گے۔......اب رہا ہمارے وائس چانسلر صاحب کا

مسئلہ، ان سے میں ان پروجیکٹوں کے بارے میں کبھی کبھی باتیں کرتا رہا ہوں، لیکن وہ بھی ان کے لیے اب تک اپنے آپ کو یکسو نہیں کر سکے۔ اس پروجیکٹ کے ذریعہ ہمارے وائس چانسلر صاحب چار پانچ سال کے اندر اندر کہاں سے کہاں پہنچ جائیں گے۔ اس کا اندازہ وہ میری طرح کرلیں، تو معلوم نہیں کیا کیا قربانیاں کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ میں صرف ''خواب'' ہی نہیں دیکھتا بلکہ ہر خواب کو عمل میں لے آنے کی صلاحیت بھی خدا نے مجھے دے رکھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے رشید الظفر صاحب ہندوستان بھر کی یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں کے ایسے لیڈر بن جائیں، جس کی نظیر وہ بس خود ہی ہوں، مسلمانوں کی دو پرانی یونیورسٹیاں بری طرح تڑپ رہی ہیں، کاش ہمدرد نگر میں مسلم یونیورسٹی کے وابستگان چکر پر چکر لگائیں کہ ہم کو اپنی یونیورسٹی کے لیے رشید الظفر ہی چاہیے، وہ اور میں ان وابستگان سے تحریری معاہدے کر رہے ہوں اور شرائط منوا رہے ہوں، اور پھر رشید الظفر علی گڑھ جا کر وہ کارنامہ انجام دیں، جو سرسید اور مسلمانوں کی بے چین روحوں کی تسکین کا باعث ہو اور انجام کار سرسید کے بعد رشید الظفر ہی کا وظیفہ پڑھا جائے۔ اس کے بعد خدا کرے ان ہی کے ذریعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی کشتی بھی پار لگے...... میری پیاری والدہ صاحبہ بچپن ہی سے میری ''مجنونانہ'' باتوں کی وجہ سے مجھے ''جن'' کہتی تھیں۔ وہ ''جن پنا'' مجھ میں اب بھی باقی ہے لیکن ''بڑھاپے'' کی وجہ سے ذرا سہارے کی ضرورت پڑنے لگی ہے۔ اگر رشید الظفر صاحب اور ڈاکٹر بیدار صاحب جن میں یہ ''جن پنا'' تھوڑا بہت موجود ہے، مجھ کو اپنے ساتھ لے لیں یا میں ان کے ساتھ لگ جاؤں تو ہم تینوں تین چار سال ہی میں وہ کام کرلیں گے، جو ''جن'' ہی کر سکتے ہیں! اس کے علاوہ میری مہلت کے دن بھی تو اب گنے چنے ہی رہ گئے ہیں''۔

حکیم صاحب کے پاس تو کچھ دن نکل بھی آئے لیکن رشید الظفر صاحب کے دن بہت ہی گنے چنے ثابت ہوئے، دورۂ سعودی عرب کے دوران نومبر ۱۹۹۴ء میں وہ اچانک ایک کار

حادثے میں جاں بحق ہوگئے اور حکیم صاحب کے جوش جنوں پر گویا اُوس پڑگئی ، ادہر بیدار صاحب نے بھی مدت مدید تک عملی بیداری کا کوئی ثبوت نہ دیا، ۱۹۹۶ء میں کولہے کی ہڈی ٹوٹ جانے کے باعث حکیم صاحب کی صحت وتوانائی کو گرہن لگ گیا اور ۱۹۹۸ء میں چھوٹے بھائی (حکیم محمد سعید صاحب) کی کراچی میں شہادت کے بعد تو حکیم صاحب کی ہمت بھی جواب دے گئی۔ حکیم صاحب نے اپنی زندگی میں بہت کچھ کر دکھایا مگر کئی خواب تشنۂ تعبیر بھی رہ گئے۔ حکیم صاحب کے انتقال کے گیارہ برس بعد اب عابد رضا بیدار صاحب پھر بیدار ہوئے ہیں اور پرانی کوتاہی کا کفارہ ادا کرتے ہوئے حکیم صاحب مرحوم کی ذات گرامی ، خدمات وخواہشات اور اشغاف واہداف کو اجاگر کرنے کے لیے بڑی تندہی سے مصروف عمل ہیں۔ لگتا ہے کہ حیات حمید پر بھرپور روشنی ڈالنے والا کوئی مستند شاہکار جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے۔

اسلامیات کے علاوہ جو دیگر مسائل حکیم صاحب کے ذہن پر سوار رہتے تھے ان میں تقسیم ہند اور مستقبل میں وفاق کے امکانات ، بین مذاہب اور بین مسالک اختلافات کے خاتمے کی تدابیر ، اردو اور ہندی کا باہمی رشتہ اور ممکنہ ادغام و اشتراک وغیرہ سرفہرست ہیں۔ جامعہ ہمدرد کے وجود میں آنے کے بعد حکیم صاحب کو اندازہ ہوا کہ یونیورسٹی کے اپنے خدوخال ، اپنی ترجیحات اور اپنے قاعدے قانون ہوتے ہیں ، لہٰذا منصوبوں کی تکمیل میں ضابطوں کی کارروائیاں تاخیر کا سبب بن سکتی ہیں ، یہ صورت حال ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی تھی ، انہوں نے وقت ضائع کیے بغیر متبادلات پر غور کرنا شروع کردیا۔ یونیورسٹی والے منصوبے نے تو خیر سے جامعہ ہمدرد کی شکل اختیار کرلی تھی ، اب ان کی توجہ ''ہمدرد آرکائیوز اور ریسرچ سینٹر'' پر مرکوز ہوگئی تاکہ بچی کچھی ترجیحات اور خواہشات کی تکمیل اس پلیٹ فارم سے کی جائے۔ آناً فاناً تعمیر وتشکیل کا عمل شروع ہوگیا۔ ایک نئے سورج کے طلوع ہونے کا انتظار ہونے لگا۔ ایسے سورج کا جس کی صحت بخش کرنیں زبوں حال ملت کو مسائل حاضرہ کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں صلح و آشتی اور افہام وتفہیم کی راہیں دکھلاسکیں۔ زندگی کے آخری ایام میں حکیم صاحب کے بے حد اصرار پر ڈاکٹروں نے کچھ دیر کے لیے انہیں اپنی معیت میں اسپتال سے باہر لانے اور جامعہ ہمدرد کی مختلف عمارتوں کے سامنے سے گذارنے کا بندوبست کیا۔ تن من دھن سے سجائے ہوئے

اپنے خوابستان علم وفن کا یہ ان کا آخری دورہ تھا۔خوابوں کے شہر کی دلکش عمارات کو فعال حالت میں دیکھ کر ان کے چہرے پر طمانیت اور فرحت کے آثار نظر آئے۔ ہمدرآرکائیوز عمارت کی تعمیر ان دنوں تکمیل کے قریب تھی، اس کے سامنے سے گذرے تو رکنے کا اشارہ کیا۔ بولنے کی سکت نہیں تھی، ادھ کھلی آنکھوں سے کچھ دیر اس خوبصورت عمارت کو دیکھتے رہے جیسے ذہن میں اس کی تصویر اتار رہے ہوں، پھر آنکھیں بند کرلیں اور اس طرح یہ الوداعیہ تقریب اختتام کو پہنچی، اس دن کے بعد پھر کھلے آسمان کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔حکیم صاحب جتنا کر سکے اس سے مطمئن تھے، جو رہ گیا اس کی ذمہ داری رفقائے کار پر چھوڑ گئے۔

آرکائیوز عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی تو علمی کام شروع کرنے کی منصوبہ بندی ہونے لگی۔ اس مرکز کی ذمہ داری بھی سید اوصاف علی صاحب کو سونپی گئی۔ دس برس گذر گئے ہیں، منصوبہ بندی جاری ہے۔ چنیدہ موضوعات پر تحقیق وتحریر کا عمل کب شروع ہوگا یہ غیب کی بات ہے اور غیب کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے۔افسوس کہ اب اوصاف علی صاحب کی صحت بھی دیکھ بھال اور احتیاط کا تقاضا کرنے لگی ہے۔ گردش لیل ونہار نے اب انہیں بھی اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں سے محض مشورے دیے جاسکتے ہیں اور تبصرے کیے جاسکتے ہیں۔افسوس کہ ہم ان کی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ نہیں کر پائے۔ یہ حقیقت ہے کہ ''کوزے میں سمندر'' والا محاورہ اوصاف علی صاحب پر پوری طرح صادق آتا ہے، مختصر سے جثہ والا یہ شخص بلاشبہ میدان علم کا شہ زور ہے۔اسلامیات اور سماجیات پر سینکڑوں نہیں بلکہ شاید ہزاروں مقالات وکتب کا عطر ومتن اوصاف بھائی کے شفاف ذہن میں محفوظ ہے۔ زبان وبیان پر بھی اللہ نے بڑی قدرت عطا کی ہے، اردو ہو یا انگریزی، الفاظ کی ادائیگی میں ایسی نزاکت ولطافت گویا کوئی نازک اندام دوشیزہ ہولے ہولے بتاشوں پر چل رہی ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ بتاشے پھوٹ نہ جائیں۔افسوس یہ ہے کہ اپنے علم وفضل کی اس بے پناہ دولت میں سے آیندہ آنے والی نسلوں کے لیے شاید وہ کوئی قابل اعتنا میراث نہیں چھوڑ جائیں گے، میری دلی خواہش ہے کہ موصوف اب تمام فروعات سے دامن بچا کر محض قلم کاغذ سنبھال کر گوشۂ عافیت میں بیٹھ جائیں اور علم وفضل کے فکر انگیز شہ پارے صفحۂ قرطاس پر بکھیرنا شروع کردیں۔ایسے شہ پارے جو نئی نسل کی صحت مند ذہن سازی میں معاون بن سکیں۔ کیا کروں،

پستہ قد ہوں ، ایک حد سے تجاوز بھی نہیں کرسکتا ہوں ، ان کا ہم پلہ ہوتا تو بہت بے باکانہ اور جارحانہ انداز میں مصر ہوتا اور کہتا کہ خداوند کریم کی عطا کردہ صلاحیتوں کو استعمال میں نہ لانا اور علم نافع کے بند پٹارے کو جوں کا توں واپس لے جانا بخیلی بھی ہے اور کفران نعمت بھی ، جو نہ خالق کی نگاہ میں پسندیدہ ہے نہ مخلوق کی ۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ حکیم صاحب کی دلچسپی کا ایک اور محور ، جس سے ذرا کم لوگ واقف ہیں ، لسانیات تھا ۔ وہ ہندی اور اردو کو ایک ہی سکے کے دو رخ مانتے تھے ۔ ان کی لسانی فہم اور فکری بلندی کا اندازہ ان کے درج ذیل اقتباس سے ہوسکتا ہے جو ۱۹۹۴ء میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز کے زیر اہتمام منعقد ایک سمینار ''ہندوستان میں لسانی مسائل'' میں دیے گئے ان کے خطبۂ صدارت سے لیا گیا ہے :

> ''زبانیں پہچانی جاتی ہیں ، اپنے جملوں سے اور جملوں کی بنیاد ہوتی ہے فعل ۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو ہم جنہیں اردو یا ہندی یا ہندوستانی کہتے ہیں ان سب کے افعال کی بنیاد ایک ہے ۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ معمولی معمولی باتوں پر؟ خاص طور پر نہ ملنے والی باتوں پر زور دیا ہے اور اسی بنیاد پر نام تک الگ الگ کردیے ہیں ۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو ہندوستانی زبان کی گرامر ایک ہے ۔ چاہے اس کا نام آپ بدل دیں مگر اس کی گرامر بدلنا آسان کام تو نہیں ! اب سوال رہ جاتا ہے نام کا ۔ انگریزی میں مثل مشہور ہے گلاب کو کسی نام سے پکارو ، اس کی خوشبو وہی رہے گی ۔ ہندوستانی نام پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے اس کا ایک ہی ملک سے تعلق ظاہر ہوتا ہے ۔ اس لیے میرے ذہن میں ایک نیا نام آیا ہے ، ممکن ہے آپ کو پسند آئے ۔ یہ نام ہندی اور اردو دونوں سے مل کر بنا ہے اور اسے ''ہندردو'' بھی کہا جاسکتا ہے یا اگر سارک کے دیگر ملک پسند کریں تو اس کا نام ''سارکی'' بھی ہوسکتا ہے ۔ میں اپنے طور پر عام بول چال کی زبان کے الفاظ ، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے ، مدتوں سے جمع کرتا آرہا ہوں ۔ بی بی سی لندن کے ہندی بلیٹن کے ایسے ہی الفاظ جو عام ہندوستانی بولی کے ہیں کم سے کم دو ہزار جمع کرنے کے

بعد اندازہ ہوا کہ اردو ہندی کے نام سے لڑنے والی زبانیں باہر کے ملکوں میں جا کر
کس طرح ایک ہوجاتی ہیں، یہ واقعہ شاید آپ کو اچنبھے میں ڈال دے گا کہ بی بی سی
لندن کے ہندی بلیٹن کے دوسرے وقت کے پچاس منٹ میں ایک سو انتیس الفاظ
ایسے تھے جو سب کی سمجھ میں آنے والے تھے اور جنہیں ہندوستانی ہی کہا جاسکتا ہے۔
ان میں علاحدگی، رشتہ، علاوہ، طے کرنا، مزاج، کارگر، صلاح کار، حاوی، غوطہ خور
جیسے الفاظ بھی ہیں۔ ایسے ہندی الفاظ کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے''۔

حکیم صاحب کی ایما پر پروفیسر محمد حسن صاحب (مرحوم) کی نگرانی میں غالب اکادمی نے لسانیات پر کئی کتابیں شائع کیں۔ مثلاً ''ہندوستانی بولی'' (۱۹۹۳ء)، ''ہندوستانی رنگ'' (۱۹۹۳ء)، ''آسان غالب'' (۱۹۹۴ء) اور ''ہندوستانی محاورے'' (۱۹۹۵ء)۔ اسی سلسلے میں انگریزی کی بھی ایک کتاب بہ عنوان "Towards a Langua Franca of SAARC Countries" ۱۹۹۳ء میں شائع کی گئی۔ ہندوستانی زبانوں کے منصوبے پر کرائے گئے اس کام کا تذکرہ کرتے ہوئے حکیم صاحب فرماتے ہیں:

''ہندوستانی کے رواں پروجیکٹ نے لفظوں کا لمبا جائزہ لیا ہے۔
کتاب کا نام ''ہندوستانی رنگ'' ہے جسے اردو ہندی اور انگریزی میں شائع کیا
گیا ہے۔ اس میں عام فہم اور آسان لفظوں کی فہرست ۳۰۴ صفحوں پر پھیلی ہوئی
ہے مثلاً گرو گرنتھ صاحب میں ایسے الفاظ ۹۱۵۷ ہیں۔ سورداس کے کلام میں ایسے
الفاظ ۱۲۶۴ ہیں۔ تلسی داس کے یہاں ایسے الفاظ ۱۰۷۳ ہیں۔ پرتھوی راج راسو
میں ۵۴۰ ہیں۔ کبیر کے دوہوں میں ۱۲۷۵ ہیں۔ میرا بائی کے کلام میں ۸٦۷
ہیں۔ بہارست سئی میں ۸۱٦ ہیں۔ اب ذرا ایسے عام آسان رائج الفاظ کی تعداد
دیکھیے جو ہندوستان کی درج فہرست زبانوں میں ہیں۔ گجراتی میں ۴۰٦۷،
پنجابی میں ۲۵۹۰، آسامی میں ۲۵۰۲، مراٹھی میں ۳۱۹۰، ملیالم میں ۱۰۷۱، تامل
میں ۱۰۴۱، تیلگو میں ۲۵۷۹، اڑیہ میں ۲۸۲۲ اور کنڑ میں ۱۱۸۸۔
......اس پروجیکٹ کے تحت ہم نے عام بول چال کے ہندوستانی

لفظوں کی ڈکشنری ہی تیار نہیں کی بلکہ ایسے شعری انتخابات بھی تیار کیے جنہیں نہ صرف ہندی کہا جاسکتا ہے اور نہ اردو اور یہ انتخاب اور ڈکشنریاں ہم اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں تیار کرا رہے ہیں ۔ اس کے علاوہ ہندی اور اردو کے مشترکہ محاوروں کی لغت بھی تیار ہو رہی ہے ۔ ہم نے اپنی وراثت کو بانٹ بانٹ کر الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم کر رکھا ہے ۔ لیکن اب شاید سبھی ٹکڑوں کو سمیٹنے کا وقت آ گیا ہے ۔ اگر اب بھی ہم نے کاہلی برتی تو ہم اپنے تاریخی فرض کو پورا نہ کرسکیں گے ۔ عجیب بات ہے کہ یہ ہندوستان کا بھی ورثہ اور اس حصہ کا ورثہ بھی جواب ہندوستان کی جغرافیائی سرحدوں میں نہیں ہے“ ۔

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

”انگریزی زبان عالمی کیسے بنتی جارہی ہے؟ اپنے دروازے ہر اچھے اور رائج لفظ کے لیے چوپٹ کھول دینے سے ۔ آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ انگریزی میں صرف ہندوستانی الاصل الفاظ کی تعداد دو ہزار سے اوپر ہے اور ان میں زیادتی ہی ہوتی جارہی ہے ۔ انگریزی کو زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوششیں ہمیشہ سے زیادہ شاداب ہو رہی ہیں ، یہی انگریزی کی ترقی اور پھیلاؤ کی وجہ ہے ۔ کاش ہندی کو سنسکرت بنا دینے والے اور اردو میں عربی اور فارسی کی ملاوٹ کرنے والے ذرا زبانوں کی تاریخ سے سبق سیکھ لیں ۔ سنسکرت جیسی ترقی یافتہ زبان برصغیر کی عام زبان کیوں نہیں ہوسکتی ، علاحدگی اور چھوت چھات والے ہی اس کا جواب دے سکتے ہیں“ ۔

پچاس برس سے زیادہ مدت تک حکیم صاحب کا یہ معمول رہا کہ روزانہ صبح نماز اور چہل قدمی سے فارغ ہوکر وہ قومی اور عالمی سطح کے اردو اور انگریزی کے اخبارات و رسائل پر نگاہ ڈالتے تھے ۔ موٹی موٹی سرخیوں کو پڑھ کر دلچسپی کے موضوعات پر نشان لگاتے جاتے تھے ، بعد میں نشان زد مضامین اور خبروں کے تراشے کاٹ کر الگ الگ عنوانات کے تحت فائلوں میں رکھ دیے جاتے تھے ۔ نشان لگاتے وقت حکیم صاحب یہ تعین بھی کر دیتے تھے کہ کون سا تراشہ کس فائل میں رکھا جائے گا ۔

سینکڑوں موضوعات پر ایسی ہزاروں فائلیں آج ہمدرد آرکائیوز اور ریسرچ سینٹر میں اپنے قدر دانوں کی منتظر ہیں۔منتخب موضوعات پر تحقیق ومطالعہ کے ذریعہ گراں قدر معلوماتی مواد تیار کرنے کے عمل میں ان فائلوں سے زبردست استفادہ کیا جاسکتا ہے۔اپنی اخبار بینی کے اس انوکھے انداز کا ذکر کرتے ہوئے خود حکیم صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

''میری اخبار بینی نے ۱۹۴۶ء سے اخباری تراشوں اور ان کی فائلوں کا ایسا روپ دھارا ہے کہ ہزارہا فائلیں الماریوں میں بھری ہوئی ہیں، اب بھی بھرتی چلی آرہی ہیں اور رکنے کا نام نہیں لیتی ہیں۔معلوم نہیں کہ انجام کیا ہوگا،ان سے فائدہ اٹھانے والے کب پیدا ہوں گے اور میرے معمولات کے اس ضمنی یا تفریحی پہلو کے کیا نتائج نکلیں گے''۔

حال ہی میں حکیم صاحب کی متعدد تحریروں اور فہرستوں کی بنیاد پر ان فائلوں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ہزاروں فائلیں جن میں لاکھوں اخباری تراشے رکھے ہوئے ہیں، تین سو بیس عنوانات کے تحت تقسیم کی گئی ہیں،ان میں سے بہت سے ملتے جلتے عنوانات کو باہم ضم کر کے اور دیگر کم اہم عناوین سے صرف نظر کر کے تقریباً ایک سو ایسے موضوعات منتخب کیے جاسکتے ہیں جنہیں حکیم صاحب کی ترجیحات سمجھا جاسکتا ہے۔پھر ان میں سے بیس پچیس موضوعات کو بنیاد بنا کر تحقیق وجستجو کے کام کی بسم اللہ کی جاسکتی ہے تاکہ مرحوم کی خواہش کے مطابق عہد حاضر کے تقاضوں کو خطاب کرتا ہوا کچھ مفید لٹریچر وجود میں آسکے،ایسا ہوا تو یقیناً ہماری جانب سے یہ مرحوم کے لیے ایک اعلیٰ ترین خراج عقیدت ہوگا۔

۱۹۴۷ء میں جب حکیم صاحب نے بزنس اینڈ ایمپلائمنٹ کی بنیاد ڈالی تو ''پس منظر اور تجویزیں'' کے زیرعنوان ایک گشتی مراسلہ ملک کے اکابرین کے نام جاری کیا اور اس میں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ اقتصادی حالت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے سینے میں چھپے کرب کا یوں اظہار کیا:

''یہ محسوس کر کے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ گذشتہ سو سال میں ہند کے مسلمانوں میں مذہبی اور اصلاحی تحریکیں بھی اٹھیں اور سیاسی، تعلیمی اور تہذیبی بھی، لیکن کسی نے جس بات کی طرف توجہ نہیں کی وہ ان کا اقتصادی مسئلہ ہے۔یہ مسئلہ

آج تک نہ تو کسی عمومی تحریک کی وجہ بن سکا اور نہ علمی گفتگو اور ریسرچ کا موضوع بننے کا شرف اسے حاصل ہوا۔ کمیونزم کی اشاعت نے اسلام کے اقتصادی نظام پر تو کچھ لٹریچر مہیا کر دیا ہے لیکن ہندوستان میں اس عظیم اقلیت کے اقتصادی مسائل کیا ہیں، وہ اس عبوری دور میں کن مالی تھپیڑوں سے دوچار ہے۔ شہری اور دیہاتی مسلمان اپنی روزی کے لیے کیا کر رہے ہیں، مختلف ریاستوں میں ان کی روٹی روزی کا مسئلہ کیا کیا رخ اختیار کیے ہوئے ہے اور آخر میں ان کے حل کی کیا کیا راہیں ہو سکتی ہیں۔ یہ اور اس قسم کے سوالات پر کہنا یہی چاہیے کہ سکوت چھایا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے اقتصادیات کی ناؤ گویا حوادث کے رحم و کرم پر ہے اور اس پر نہ کسی کو اختیار ہے نہ اقتدار''۔

مسلمانان ہند کی نوجوان نسل کو حکیم صاحب محض تعلیم یافتہ اور برسر روزگار ہی نہیں بلکہ ملک و قوم کے انتظام و انصرام میں منہمک دیکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ۱۹۹۲ء میں سنگم وہار کے تعلیم آباد کیمپس میں ہمدرد اسٹڈی سرکل کی اساس ڈالی اور سول سروسز کے امتحانات میں حصہ لینے والے اقلیتی طبقوں کے ہونہار طلبا کے لیے مفت تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ صدق دلی سے کیے گئے اس کام کے نتائج بھی بہت حوصلہ افزا ثابت ہوئے۔ اب تک یہاں کے ۲۴۰ طلبا سول سروس امتحانات میں کامیاب ہو کر ملک کے انتظامی ڈھانچے کا حصہ بن چکے ہیں۔ IAS زمرے کے کامیاب امیدواروں کی فہرست میں یہاں کے طلبا نے پانچ مرتبہ ٹاپ ٹین (پہلے دس) میں بھی جگہ بنائی۔ ۱۹۹۴ء میں دوسری پوزیشن حاصل کرنے والے ابوبکر صدیق ۲۰۰۵ء میں پانچویں پائیدان پر کھڑے زہیر بن صغیر اور ۲۰۰۹ء میں پہلی پوزیشن پر براجمان ڈاکٹر شاہ فیصل اسی ادارے کی پیداوار ہیں۔ ان کے علاوہ اجے کمار (۱۹۹۴ء)، آنند کشور (۱۹۹۵ء) اور ریتا سنگھ (۱۹۹۶ء) بالترتیب ساتویں، آٹھویں اور چھٹی پوزیشن حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔

ہمدرد کے تعلیمی اور فلاحی اداروں کی ہمہ جہت کامیابی اور ان کے توسط سے ترقی و خوش حالی کی راہ پر ملک و ملت کی پیش رفت، ببانگ دہل حکیم صاحب کے تفکر اور تدبر پر صاد کرتی ہیں۔

اخبار علمیہ

ایران میں قرآنی نمایش

تہران کے امام خمینی مصلی (ہال) میں واقع ریز نگاری نور محل عمارت میں ۱۹ویں سالانہ قرآن نمایش کا اہتمام کیا گیا، رمضان المبارک میں اس نمایش کا موضوع ''قرآن انقلاب کی کتاب'' تھا، زائرین کی سب سے زیادہ توجہ کا مرکز لعل و جواہر سے مرصع دنیا کا سب سے چھوٹا نسخۂ قرآن تھا، اس کے دائیں جانب ۱۶اور دوسری جانب ۱۴ پارے ہیں، آرٹ کے اس نمونہ میں نو ہزار ۵۲۶ اقسام کے جواہرات کا استعمال کیا گیا ہے، زمرد اور یاقوت وغیرہ کے کام نے اس کی دلکشی میں چار چاند لگا دیے، نمایش میں ایسے چاول کے دانے بھی ہیں جن پر قرآنی آیات اور بعض مختصر سورتیں لکھی گئی ہیں۔ افتتاحی تقریب میں صدر ایران احمدی نژاد اور حکومت کے اعلی عہد یداروں اور معزز شخصیات نے شرکت کی، صدر نے کہا کہ ایسے افراد لائق قدر اور ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں جو قرآنی ثقافت کے فروغ کی کوششوں میں مصروف ہیں، نمایش کے ڈائریکٹر حامد محمدی نے کہا کہ یہ نمایش قرآن مجید کے اس مقام بلند کو اجاگر کرے گی جس کے تعلق سے مسلم ملکوں میں بیداری کی لہر پیدا ہو رہی ہے، ان کے مطابق اس کے اہم مقاصد میں قرآنی تصور پر مبنی ثقافت کے دائرہ کو وسیع اور اس کے منشور پر لوگوں کی توجہ مرکوز کرنا ہے، نمایش میں قرآن کے منشور کو تین حصوں یعنی قرآن کی عام تعلیم، خصوصی تعلیم اور تحقیق و تخریج میں تقسیم کیا گیا تھا اور تینوں کے متعلق مواد کو خاص طور پر اہمیت دی گئی تھی، ڈائریکٹر کے مطابق اس سال کی قرآنی نمایش میں زائرین کا جوش و خروش دیدنی ہے اور توقع ہے کہ بیس لاکھ سے زائد شائقین اس سے فیض یاب ہوں گے۔

ستر سالہ خاتون کی کتابت قرآن

الجزیرہ کی ریاست ''بلیدۃ'' کی ایک ستر سالہ خاتون عایشہ محی الدین دس برس قبل حروف

تہجی سے بھی ناواقف تھیں لیکن انہوں نے ساٹھ سال کی عمر میں حرف شناسی کی صلاحیت پیدا کی اور پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے میں بھی مہارت حاصل کر کے محض جذبہ وشوق سے قرآن مجید کی مکمل کتابت بھی کر ڈالی اور وہ بھی پانچ نسخوں کی، اس حیرت انگیز کارنامے کے سبب آج وہ پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہیں، انہوں نے کہا کہ کچھ آیتیں لکھنے کے بعد ان کو تصحیح کے لیے حفاظ کرام کے سامنے پیش کر دیتیں، ۲۰۰۶ء میں اس قابل تحسین کام کی ابتداء سورۂ فاتحہ سے کی اور تیرہ مہینوں میں تکمیل کی، پھر مزید ۵ نسخے لکھے اور ہر بار یہ عمل پانچ مہینوں میں مکمل ہوا۔

نائٹ ٹیمپلرز کا منشور

نائٹ ٹیمپلرز انتہا پسند اور بنیاد پرست عیسائیوں کی ایک مسلح تنظیم ہے جو فلسطین میں صلیبی جنگوں کے درمیان وجود میں آئی تھی، یہ مسلمانوں کے ساتھ ہر ظالمانہ و جابرانہ کارروائی کو روا سمجھتی تھی، بعد میں سترہویں صدی عیسوی میں ارباب کلیسا نے بادشاہوں کی مدد سے اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا دعویٰ بھی کیا تھا، لیکن ناروے کے حالیہ دہشت گردانہ واقعات کے ذمہ دار آندرے بیرنگ بریویگ کے اسی عیسائی انتہا پسند تنظیم سے روابط کے ثبوت ملے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ دوبارہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے سرگرم ہو چکی ہے، آندرے بیرنگ بریویگ یورپ میں مذہبی انقلاب یعنی خالص عیسائی حکومت کے قیام کا خواہاں ہے، اسلام اور مسلمانوں سے اس کو شدید نفرت ہے، اسی لیے وہ ہندوستان کے انتہا پسندوں کا بھی حمایتی ہے، ۱۵سو صفحات پر مشتمل اپنے منشور میں ۱۰۲ صفحوں پر اس نے ہندوستان کا ذکر کیا ہے، جس میں اس نے ہندوستان والوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ملک میں منظم طور پر مسلمانوں کو غدار کی حیثیت سے پیش کریں، نسل کشی کے گُر بھی سکھائے ہیں، برطانوی اخبار ٹیلی گراف کے مطابق اس منشور کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک طرف انتہا پسند ہندوؤں کا حامی بھی اور دوسری طرف اسلام اور مسلمان دشمنی میں یہودیوں کا ہم نوا بھی ہے، اس نے منشور میں یہودیوں کا نام ۳۲۴ اور اسرائیل کا ۳۵۹ مرتبہ لیا ہے، افسوس کہ ایسی دہشت گرد تنظیم جس کی گود میں آندرے جیسے انتہا پسند دہشت گرد پرورش پاتے ہیں، مغربی ذرائع ابلاغ اپنی خبروں میں اس کو حسب ضرورت بھی اہمیت

نہیں دیتے۔ (یہ خبر روزنامہ منصف حیدرآباد کے ادارتی صفحہ سے ملخص ہے)

بلب کی روشنی سے سرطان کا خطرہ

برطانیہ اور اسرائیل کی ایک مشترکہ تحقیق میں کہا گیا ہے کہ بلب کی روشنی جسم اور خون کے خلیوں میں زیادہ حدت اور تیزی لادیتی ہے جس کے سبب سرطان کے امکانات میں اضافہ ہوجاتا ہے، اس کی تحقیق کے لیے ماہرین طب نے لیکسٹر یونیورسٹی میں چوہوں پر تجربہ کیا، چوہوں کے ایک گروپ کو بلب کی روشنی میں ایک گھنٹہ رکھنے کے بعد جب ان کے خون کے خلیوں کی جانچ کی گئی تو ان میں نمایاں حدت و تیزی کا مشاہدہ کیا گیا، ان کے باڈی کلاک میں کافی تبدیلی ہوچکی تھی، اس صورت حال کے پیش نظر ماہرین نے کہا کہ چونکہ باڈی کلاک انتہائی حساس نوعیت کا نظام ہوتا ہے اور بلب کی روشنی سے وہ نظام متاثر ہوتا ہے، اس لیے بلب کو مسلسل جلانے کے بجائے بجھا کر سونا چاہیے، تاکہ اس کے نقصانات کے امکانات کم ہوجائیں۔

ہیضہ کا بیضہ خلیج بنگال

ہیضہ انسانی آنتوں میں واقع ہونے والا ایک ایسا متعدی مرض ہے جس سے اسہال کی بیماری لاحق ہوجاتی ہے اور اگر اس کا فوری علاج نہ کیا جائے تو چند گھنٹہ میں مریض لقمۂ اجل ہوجاتا ہے، دنیا کے چھپن ممالک میں ہر سال تیس سے پچاس لاکھ افراد اس سے متاثر ہوتے ہیں اور ڈیڑھ لاکھ افراد جاں بحق ہوجاتے ہیں، اس کا علاج صاف پانی سے ممکن ہے، برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی کے سینگر انسٹی ٹیوٹ کے محققین نے ہیضہ کے ۱۵۴ مریضوں سے نمونے حاصل کیے، حاصل شدہ نمونوں سے پتہ چلا کہ ہیضہ کی مختلف قسمیں کس طرح آپس میں ملتی ہیں، ان بیکٹیریوں کے جنیاتی جائزہ میں محققین کے سامنے اس مرض کے پھیلاؤ کے بارے میں مکمل تصویر سامنے آئی، خاص بات یہ ہے کہ دنیا بھر میں ہیضے کی تین بڑی وبائی اقسام کی بنیاد ایک ہی جگہ یعنی خلیج بنگال ہے، یہیں سے یہ وبا سب سے پہلے پھیلی تھی۔ (یہ رپورٹ رسالہ ''نیچر'' میں شائع ہوئی ہے)

ک، ص اصلاحی

معارف کی ڈاک

سرمۂ اعتبار

کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج،
پوسٹ بسوریا، وایا لوریا،
مغربی چمپارن، بہار
۲۰۱۱/۸/۲۹ء

محترمی! السلام علیکم۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

بہت پہلے معارف جولائی ۲۰۱۱ء کا شمارہ نظر نواز ہوا تھا، شذرات ہوں یا مقالات، اخبار علمیہ ہوں یا معارف کی ڈاک، باب التقریظ والانتقاد ہو یا مطبوعات جدیدہ کی رونمائی (تبصرہ) ہر حصہ ذہن و دل کے تاریک گوشوں کو منور کر گیا۔

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی کے فارسی مجموعہ کلام ''سرمۂ اعتبار'' پر پروفیسر سعید الظفر چغتائی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ صحت مند انداز فکر کا حامل ہے۔ چند ماہ پہلے شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی کے ایک صاحب علم نے ''کانفرنس گزٹ'' میں ''سرمۂ اعتبار'' پر بڑا جارحانہ و جانب دارانہ تبصرہ کیا تھا، جس کو پڑھ کر کوفت ہوئی تھی۔ ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل ہیں، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ساختہ و پرداختہ نہیں ہیں شاید اسی وجہ سے علی گڑھ کے بعض علمی حلقوں میں رئیس احمد نعمانی کی فارسی شاعری کو ''رشک'' کی بجائے ''حسد'' کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ کوئی کچھ بھی کہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہندوستان میں فارسی شاعری میں رئیس احمد نعمانی کا جواب نہیں۔ رئیس احمد نعمانی نے اپنی سخن سنجی اور سخن فہمی سے ''شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد؟'' کے مفروضے کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم و مغفور سے گفتگو کے دوران میں ایک بار رئیس احمد نعمانی کا ذکر آیا تو ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا:

> ''رئیس احمد نعمانی فارسی زبان و ادب کے بہترین اسکالر ہیں۔ فارسی میں ان کا کلام بہت عمدہ ہوتا ہے لیکن مزاج میں استقلال نہیں اس لیے کارگاہ حیات میں وہ زیادہ کامیاب نہیں''۔

ابھی چند دنوں پہلے فون پر ناوک حمزہ پوری صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی، بر سبیل تذکرہ

رئیس احمد نعمانی صاحب کا نام آگیا تو حضرت ناوک نے فرمایا:

''میرے بھائی! پورے ہندوستان میں رئیس احمد نعمانی سے بڑا فارسی کا کوئی شاعر نہیں''۔

یہ اس شخصیت کی گواہی ہے جس کی فارسی شاعری پر پروفیسر جگن ناتھ کو ناز تھا۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد اپنے ۱۸؍جنوری ۱۹۹۷ء کے مکتوب بنام ناوک حمزہ پوری میں رقم طراز ہیں:

برادر محترم! آداب

ع کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا

آپ کی نظم پڑھی اور میں اس دور کو واپس چلا گیا جب لاہور میں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال (وائس پرنسپل اورینٹل کالج)، مولانا علیم الدین سالک، سید عابد علی عابد، آقا بیدار بخت، صوفی غلام تبسم، ڈاکٹر سید عبداللہ اور پروفیسر چونستھ رام رنجن ہمیں فارسی پڑھایا کرتے تھے۔ آج میرے ان اساتذہ میں سے کوئی بھی زندہ ہوتے یا میرے والد محترم یا استاد شمس العلماء مولانا تاجور نجیب آبادی زندہ ہوتے تو آپ کو ایک ایک مصرعے پر داد دیتے اور نظم پڑھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتے......۔

آپ نے یہ نظم کہہ کر ایک ذرے کو آفتاب بنا دیا ہے، کن لفظوں میں شکریہ ادا کروں خداوند کریم آپ کو خوش وخرم رکھے۔ بہت دیر سوچتا رہا کہ یہ شہ پارہ کسی رسالے کو اشاعت کے لیے بھیجوں۔ اس کی ایک نقل پروفیسر نذیر احمد (علی گڑھ) کو بھیج رہا ہوں اور ایک ڈاکٹر وحید قریشی (لاہور) کو۔

نیازمند جگن ناتھ آزاد (پرسش و پانچ تصنیف ناوک حمزہ پوری، ص۱۷۷-۱۷۶)

پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اپنی چند تصنیفات، جناب ناوک حمزہ پوری صاحب کو بھجوائی تھی، آزاد صاحب کے لطف خاص سے متاثر ہوکر ناوک صاحب نے بارہ اشعار پر مشتمل فارسی میں ایک نظم لکھ کر آزاد صاحب کی خدمت میں ارسال کردی۔ اس نظم سے متاثر ہوکر آزاد صاحب نے ناوک حمزہ پوری صاحب کو مذکورہ خط لکھا تھا۔

بات لمبی ہوگئی۔ بہرحال برا ہو معاصرت کو جو کبھی کبھی ''زر خالص'' کو بھی اصرار کے ساتھ ''مس خام'' کہتی ہے...... مذکورہ شمارے میں غزل کی اشاعت پر تہ دل سے ممنون ہوں۔ عید سعید کے موقع پر مبارک باد قبول فرمائیے! نیازمند

(جناب) وارث ریاضی

مطبوعات جدیدہ

اقبال اور الہ آباد: از پروفیسر علی احمد فاطمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۴۰، قیمت ۲۵۰ روپے، پتہ: ادارہ نیا سفر، ۶۸ - مرزا غالب روڈ، الہ آباد یوپی۔

اقبال کی عصری معنویت، ان کی مقامیت و آفاقیت کے چند اقبال شناس نقادوں کا تجزیہ اور اس پر تبصرہ اور اقبالیات پر چند کتابوں پر گفتگو، اس مجموعے میں شامل ہے لیکن چونکہ علامہ اقبال اور ان کے مشہور خطبہ الہ آباد پر دو مضامین ایسے ہیں جن کو واقعی بیت الغزل کی حیثیت حاصل ہے اس لیے کتاب کے اس نام کو ترجیح دی گئی، الہ آباد میں ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال تشریف لائے، مسلم لیگ کا ایک سالانہ جلسہ اس آمد کا محرک تھا، لیکن اس سے پہلے بھی کئی بار اس تاریخی شہر میں ان کا وجود ملتا ہے لیکن ۳۰ء کا سفر اس لیے تاریخ کے صفحات میں نمایاں حرفوں سے درج ہوا کہ اس بار علامہ اقبال نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ ہندوستان میں ایک مسلم ہندوستان قائم کیے جانے کا مطالبہ بالکل حق بجانب ہے، اس ایک جملے کو شارحین و مبصرین نے مطالبہ پاکستان کی شکل میں ایک ایسی داستان کا عنوان بنا دیا جس سے بعضوں کو نہ تب اتفاق تھا اور آج بھی وہ اس کی صحیح تشریح کی تلاش میں ہیں، فاضل مصنف کا بھی یہی خیال ہے اور اس کی دلیل ان کے نزدیک یہ ہے کہ ''اصلاً یہ مطالبات اقبال کے نہ تھے بلکہ بعض مسلم دانشوران کے تھے جس کی حمایت اقبال کر رہے تھے'' اور یہ کہ ''اقبال کو صرف جزو کی نہیں کل کی فکر تھی، صرف مسلمانوں کی نہیں، سارے جہاں سے اچھا ہندوستان کی فکر تھی''، مزید یہ کہ ''خطبہ الہ آباد...... کے اصل متن کا خیال نہیں کیا گیا'' بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''اقبال کے خیالات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن محض اقبال کو بانی پاکستان کہنا مناسب نہیں''۔ فاضل مصنف کے خیالات ظاہر ہے زمان و مکان کے اثرات سے جدا نہیں لیکن انہوں نے جس اعتدال اور وسعت ذہن سے خطبہ الہ آباد کے مالہ و ماعلیہ کا جائزہ لیا ہے اس کو نظر انداز کرنا آسان نہیں، اس سے زیادہ دلچسپ اور معلومات انگیز پہلا مقالہ ہے جس میں علامہ اقبال کی آمد اور کانفرنس کی تفصیلات ہیں، دوازدہ منزل میں مسلم لیگ کے اس جلسہ کے داعی، مقامی معاونین، عوام کا جوش، والہانہ استقبال لیکن جلسہ میں اسی درجہ حاضرین کی کمی اور خطبہ کی ساعت میں سنجیدگی اور توجہ میں افسوس ناک حد تک عوام کی بے اعتنائی کا ذکر دوسروں نے بھی کیا لیکن اس کتاب میں وہ جزئیات بھی آ گئی ہیں جن سے عام طور پر واقفیت نہیں، اس لحاظ سے یہ مضمون خاصا اہم ہے، دوسرے مضامین بھی اقبال کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں، فاضل مصنف خود ایک مخصوص فکر کا انتساب رکھتے ہیں لیکن عموماً انہوں نے اپنی فکر یا اپنے رجحانات کا بے جا اظہار نہیں کیا لیکن ان کو مصلحت کے پردوں میں زیادہ پوشیدہ رکھنے کی تدبیر بھی نہیں کی

مثلاً یہی جملہ کہ ''اقبال کی ان باتوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، اختلاف تو اشتراکیت کے بعض پہلوؤں سے بھی کیا جاتا ہے''، مصنف کے لہجے کی صداقت بھی قابل لحاظ ہے، شروع ہی میں انہوں نے صاف کیا کہ ''مجھے شعر فہمی کا دعویٰ نہیں، اقبال فہمی کا تو بالکل نہیں تاہم ...... بہت کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی پڑھنا پڑتا ہے''، نہ چاہنے کے بعد باوجود اقبال کی روح سے قریب قریب ہم آہنگ ہونا، ذہن و مزاج کی اصابت کی وصل ہے اور اس کا ایک ثبوت وہ انتساب ہے جو پروفیسر عبدالحق اور ڈاکٹر احمد جاوید کے نام ہے۔

پروفیسر شیخ چاند ابن حسین ناگوری، حیات اور علمی و ادبی خدمات: از ڈاکٹر نورالسعید اختر، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت بہتر، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۴۷۲، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ابراہیم رحمت اللہ روڈ، ممبئی اور نظامی پبلشرز، نئی بستی، بڈنیرا، امراوتی، مہاراشٹر۔

مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر کے درمیان ایک علاقہ وہ بھی ہے جو کبھی برار کے نام سے اپنی خاص شناخت رکھتا تھا، اب یہ مہاراشٹر میں شامل ہے، کبھی سلطنت آصفیہ کے زیر سایہ یہاں بھی علم و حکمت و شعر کی محفلیں پرشور تھیں، اب اگرچہ وہ بات نہیں لیکن خاکستر کی کچھ چنگاریاں آج بھی روشنی و حرارت کا سامان رکھتی ہیں، اس کتاب میں فاضل محقق مصنف کا شمار ان ہی مغتنمات زمانہ میں ہے جو خاص طور پر اس علاقہ کی یاد رفتگاں کو زندہ رکھنے اور نام نیک رفتگاں کو ضائع ہونے سے بچانے کی قابل قدر کاوشوں میں مسلسل مصروف عمل رہتے ہیں، زیر نظر کتاب بھی اسی کار نیک کا ایک نمونہ ہے جس میں انہوں نے گذشتہ صدی کے ایک لائق اہل قلم اور محقق عالم شیخ چاند حسین کی علمی، ادبی، تحقیقی، تدریسی اور سماجی خدمات کا ذکر کیا کہ کس طرح شیخ چاند نے تاریخ کے نئے گوشے روشن کیے، فارسی اور دکنی ادب کے متون مرتب کیے، آثار قدیمہ میں نئے معلومات پیش کیے، ۳۵ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد شیخ چاند نے اسلامی موضوعات پر داد تحقیق ہی نہیں دی ان کی زندگی بھی اسلامی تعلیمات کا دلکش نمونہ رہی، شخصیت کے تمام پہلوؤں کے ساتھ ان کی قلمی کاوشوں جیسے فہرست مخطوطات عربی اردو و فارسی مخزونہ ستارا میوزیم، ریاض الانشاء، مثنوی پھول بن از ابن نشاطی، مثنوی خاور نامہ از کمال خاں رستمی وغیرہ کے تعارف کے ساتھ ان کے مضامین اور بعض نادر مقالات کی تفصیل اور ان کا ایک جامع تجزیہ بھی اس انداز میں ہے کہ زبان حیرت واقعی یہ کہہ اٹھتی ہے کہ ''ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی''، تصاویر وغیرہ کے علاوہ قریب سو صفحات میں انگریزی میں بھی یہ معلومات موجود ہیں جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔

آسماں ایسے ایسے: از جناب فاخر جلال پوری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۱۷۶، قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ دہلی، دانش محل لکھنؤ اور محلّہ قاضی پورہ، جلال پور امبیڈکر نگر۔

جناب فاخر جلال پوری پختہ مشق، قادر الکلام اور خوش فکر شاعر ہیں، اس کا اعتراف عام ہے لیکن بحیثیت نثر نگار بھی وہ کم نہیں، ان کی تحریروں میں سادگی اور سچائی کے ساتھ وہ معصومیت بھی ہے جو ان کی تحریر کو تاثیر کی قوت بخش دیتی ہے، زیر نظر کتاب اپنے نام کی طرح فکر وجذبہ کی بلندیوں کی حامل ہے، بظاہر یہ چند مشہور اور کچھ غیر معروف شخصیتوں کا خالص تاثراتی تذکرہ ہے، جن سے مصنف محترم کی ذاتی یا علمی یا جذباتی شناسائی رہی لیکن فہرست سے خود مصنف کی شخصیت ہمہ جہتی اور گوناگونی بڑے خوبصورت انداز میں نمایاں ہوتی ہے مختلف بلکہ متضاد افکار وخیالات وعقائد کی حامل شخصیتوں سے تعلق وتاثر اور پھر اس کا معتدل ومتوازن اظہار مشکل کام ہے، حافظ ملت مولانا عبدالعزیز، قاری صدیق احمد باندوی، مولانا عزیز الحق کوثر ندوی، مولانا عبدالحلیم ہیں تو دوسری طرف حیات اللہ انصاری، آسی رام نگری، سبط محمد نقوی اور مولانا ضیاء الدین اصلاحی ہیں، عارف عباسی، عمر انصاری، ابوالمجاہد زاہد، فضا ابن فیضی ہیں تو وامق جونپوری اور کیفی اعظمی کے لیے حرف تحسین میں حجاب وتکلف نہیں۔ کمال کا اعتراف خود معترف کے کمال پر دال ہے، چھوٹے چھوٹے یہ مضامین مسرت و بصیرت سے لبریز ہیں، البتہ کتابت کی غلطیاں کہنا چاہیے کثرت سے ہیں، ان پر توجہ کی ضرورت تھی۔

آر ایس ایس، ایک مطالعہ: از جناب حارث بشیر، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات ۲۰۰، قیمت ۷۵ روپے، پتہ: کاسمس بکس، ای-۰۷، فضل انکلیو، نئی دہلی ۲۵۔

راشٹریہ سیوک سنگھ، نام سے ایک قومی خدمت گار تنظیم ہے لیکن اس نام کے پردے میں جو مسمی ہے اس کی روح میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت، عناد اور جذبہ انتقام پنہاں ہے، ہندوؤں کی بیداری یا ان کی قوت کو از سر نو بحال کرنے کی غرض سے قائم یہ تنظیم بقول فاضل مصنف ''ہندوؤں میں گذشتہ دوسو سال سے کی جانے والی احیائی کوششوں کا کلائمکس ہے'' بات صرف اتنی اور ایسی ہی ہوتی تو یہ باعث تشویش بھی نہ ہوتی، لیکن اس کے ماننے والے سیوکوں کی تربیت میں تہذیبی اور اخلاقی قدروں سے زیادہ قوت وطاقت کو نظام فکر کا جزو لاینفک بنایا گیا، اس کو حالات کے تحت مقبولیت بھی ملی اور سیکولر ہندوستان میں اس کا دائرۂ اثر جس طرح پھیلتا گیا وہ اس ملک کی صحت کے لیے کسی جان لیوا مرض سے کم نہیں، اسی اندیشے نے اس تنظیم کے قول وفعل کو زیادہ قریب سے جاننے کے لیے زیر نظر کتاب تیار کی، فاضل مصنف نے اس کے لیے ہر ممکن گوشے کا جائزہ لے کر ان معلومات کو پیش کر دیا جن سے عام تو کیا اکثر خواص بھی لاعلم ہیں، اس تجزیاتی مطالعہ میں بقول مصنف ''نقد وتبصرہ سے پرہیز نہیں کیا گیا'' لیکن یہ ضرورت سے زیادہ بھی نہیں۔ اپنے موضوع پر انفرادی شان کی وجہ سے اس کا مطالعہ یقیناً مفید اور معلومات افزا ہے۔

ع-ص

رسید مطبوعہ کتب

۱-**انسان کی تخلیق**: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترتیب وتدوین پروفیسر شہزاد الحسن چشتی، مکتبہ معارف اسلامی، ڈی ۳۵، بلاک ۵-۵ فیڈرل بی ایریا کراچی، ۷۵۹۵۰۔ قیمت =/۱۵۰ روپے۔

۲-**تذکرۂ ماجد**: مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری، تاج الفحول اکیڈمی، مدرسہ قادریہ، مولوی محلّہ بدایوں۔ قیمت درج نہیں۔

۳-**برصغیر کے دینی مدارس۔نصاب ونظام کا ایک جائزہ**: مولانا محمد عیسیٰ منصوری، الشریعہ اکادمی، پوسٹ بکس ۳۳۱، گوجرانوالہ۔ قیمت درج نہیں۔

۴-**اصول تحقیق۔جدید ریسرچ کے اصول وضوابط**: فاروس میڈیا اینڈ پبلشنگ پرائیویٹ لمٹیڈ، پوسٹ بکس ۹۷۰۱، D-48، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ قیمت =/۱۲۰ روپے۔

۵-**الجہاد**: مولانا یحییٰ نعمانی، الفرقان بک ڈپو، ۱۱۴/۳۱، نظیر آباد، لکھنؤ-۱۸۔ قیمت =/۱۰۰ روپے۔

۶-**وقائع مسافرت نواب مستطاب اشرف ارفع والا میر لایق علی خان عماد السلطنۃ عمر خالدی**: سونیل شرما، نشر تاریخ ایران، تہران۔

۷-**انوار الحرمین**: ظہیر احمد ناصری الملقب بہ ظہیری شاہ چشتی القادری، شاہ صاحب گٹہ محبوب نگر (اے، پی)۔ قیمت درج نہیں۔

۸-**صدائے برگ گل**: شیخ غازی پوری، سعید فریدی، مالتی باغ، بنارس۔ قیمت =/۱۵۰ روپے۔

۹-**احوال جدید اور اسلام**: ڈاکٹر قیصر حبیب، فرنڈس بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔

۱۰-**تاریخ اعظم گڈھ**: حاجی شاہ افضال اللہ قادری، ترتیب وتقدیم ڈاکٹر الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ، اعظم گڈھ۔ قیمت =/۱۲۰ روپے۔